AL-‘ULŪM ISSN: 2709-3484 (Print) | 2709-3492 (Online)
https://alulum.net/ojs/index.php/aujis/about
(January-June) 2025, 6:1(46-77)

عریف: عہد نبوی کا سماجی، سیاسی اور انتظامی عہدہ (ضرورت واہمیت)

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ، مدیر اعلیٰ، الجامعہ، جامعہ محمدی شریف چنیوٹ

‘Arīf: A Socio-Political and Administrative Position in the Prophetic Era (Its Necessity and Significance)

Hafiz Muhammad Saadullah (PhD)[1]
Chief Editor, Al-Jam‘ah, Jamiah Muhammadi Shareef, Chiniot

Keywords:
Islam, Sīrah, Prophetic Era, ‘Arīf, position, administration, socio-political

Abstract: This study explores the political, social, and administrative role of the *‘Arīf* (عریف) in the early Islamic state under the Prophet Muhammad (peace be on him), analyzing its necessity and historical significance. Drawing upon classical Islamic sources such as *al-Mawardī*, *al-Mawsū‘ah al-Fiqhiyyah*, and various Hadīth collections, the author demonstrates that human sociopolitical needs necessitate hierarchical structures, even in prophetic governance. The article delves into the Qur’ānic and Prophetic precedents for appointing deputies and administrators, contextualizing the *‘Arīf* as a local tribal leader or representative responsible for community affairs and reporting to higher authorities. The study establishes the continuity of this institution from pre-Islamic Arab tribal systems, reformed under the Prophet's leadership to serve communal justice and effective governance. Through historical and linguistic analysis, the article distinguishes the *‘Arīf* from higher political officials, framing it as an essential component of localized Islamic administration. The paper also investigates ethical dimensions, highlighting Prophetic warnings regarding the misuse of administrative power. Furthermore, several authentic narrations are examined to validate the function and spiritual responsibility attached to the office of *‘Arīf*, illustrating its relevance across subsequent Islamic caliphates. The study concludes that while the role was practically indispensable, it carried significant moral and religious accountability, making it both a privilege and a burden in Islamic political theory. This research contributes to understanding the structure of the prophetic state and emphasizes the enduring relevance of localized administrative ethics in Islamic governance.

How to Cite

Saadullah, H. M. (2025). عریف: عہد نبوی کا سماجی، سیاسی اور انتظامی عہدہ (ضرورت و اہمیت): Arif: A Socio-Political and Administrative Position in the Prophetic Era (Its Necessity and Significance). *Al-‘Ulūm Journal of Islamic Studies*, *6*(1), 46–77. Retrieved from https://alulum.net/ojs/index.php/aujis/article/view/177

[1] Corresponding author Email: hafizsaadullah96@gmail.com

تعارف

اسلامی ریاستِ مدینہ کا سیاسی، سماجی اور انتظامی نظام نہایت متوازن، فطری اور اصولی بنیادوں پر قائم کیا گیا، جس میں ہر طبقہ اور ہر فرد کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا۔ اسی نظام میں بعض ایسے عہدے بھی قائم کیے گئے جو بعد میں اسلامی نظمِ حکومت کے مستقل اداروں کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ان میں "عریف "کا عہدہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو بیک وقت ایک قبائلی روایتی ادارے اور ایک ریاستی انتظامی عہدے کا امتزاج تھا۔ اس عہدے کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم مدینہ کی معاشرتی و قبائلی ساخت کا جائزہ لیتے ہیں، جہاں ہر قبیلہ ایک خود مختار اکائی کی حیثیت رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عرفاء کی تقرری کے ذریعے ان اکائیوں کو مرکزی نظم میں مدغم کرنے کا حکیمانہ طریقہ اختیار کیا، جس سے اجتماعی وحدت، سماجی عدل اور انتظامی نظم و نسق کا عملی نظام قائم ہوا۔ محدثین اور سیرت نگاروں نے مختلف روایات میں عرفاء کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں عرفاء کو کس قدر ذمہ داریوں اور اعتماد سے نوازا گیا۔ ان کے فرائض میں افراد کی شہادت، مقدمات کی ابتدائی تحقیق، اور قبائلی تنازعات کا حل بھی شامل تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ "عریف "کا ادارہ اسلامی معاشرے میں نہ صرف ایک انتظامی ضرورت کے طور پر ابھرا، بلکہ اس نے اجتماعی نظم و نسق کے اسلامی تصور کی عملی شکل اختیار کی۔

لغوی طور پر "عریف "اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی گروہ یا قبیلے کے احوال و معاملات سے خوب واقف ہو، اور شرعی و سماجی طور پر ان کی نمائندگی کا اہل ہو۔ عہدِ نبوی ﷺ میں یہ عہدہ نہ صرف قبائل کے اندر داخلی نظم و ضبط قائم رکھنے میں مؤثر تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ریاستی سطح پر بھی باقاعدہ تسلیم کیا۔ عرفاء کو قبیلوں کی طرف سے متعین کیا جاتا تھا، اور وہ افراد کی رجسٹریشن، احتساب، جرائم کی اطلاع، زکٰوۃ کی وصولی، اور حکومتی احکامات کی ترسیل و تنفیذ جیسے امور سرانجام دیتے تھے۔ گویا وہ ایک "لوکل ایڈمنسٹریٹر "(مقامی منتظم) کی حیثیت رکھتے تھے، جو ریاست و عوام کے درمیان واسطے کا کام انجام دیتا تھا۔ یہ مقالہ "عریف" کے عہدے کا تاریخی، فقہی اور سماجی جائزہ لیتے ہوئے اس کی نوعیت، دائرۂ کار، اور موجودہ انتظامی اداروں سے اس کے تقابلی پہلو کو اجاگر کرتا ہے، تاکہ اسلامی ریاست کے خدوخال کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے اور عصرِ حاضر کے لیے رہنمائی فراہم کی جا سکے۔

باہمی تعاون۔ انسان کی فطری ضرورت

اللہ کریم نے اپنی تکوینی حکمتوں، مصلحتوں اور قیامت تک دنیا کی بقاء و دوام کے لیے انسانی ساخت کچھ اس قسم کی بنائی ہے کہ انسان اکیلے اپنی ذاتی اور انفرادی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں (مثلاً کھانا پینا لباس وغیرہ) پوری کر سکتا ہے نہ

کوئی کام سرانجام دے سکتا ہے[1]۔ یہ تو انفرادی و ذاتی کاموں اور ضرورتوں میں اس کی احتیاج کا عالم اور ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ اجتماعی و قومی امور اور سرکاری و حکومتی فرائض کی انجام دہی میں کس قدر دوسرے لوگوں کی عملی نصرت و اعانت اور ہاتھ بٹانے کا محتاج ہو گا۔ اس دعوٰی کی دلیل یہ ہے کہ انسانوں میں نبوت و رسالت کے بلند ترین منصب پر فائز افراد متکلمین کی تصریحات کے مطابق عقلی، فکری اور بدنی قوٰی کے اعتبار سے اپنے تمام ابنائے زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں، بلکہ یہ امر، نبوت و رسالت کی شرائط میں داخل ہے۔[2] تو اس کے باوجود انہوں نے بھی اپنے دعوتی و تبلیغی کام میں ہاتھ بٹانے والے اور نصرت و اعانت فراہم کرنے والے اعوان و انصار کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی۔[3]

1۔ یہی وجہ ہے کہ علاّمہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم الجوزیہ، الماردی اور علاّمہ ابن خلدون جیسے تمدنی علوم کے ماہرین کا یہ کہنا یاان کا تجزیہ و تجربہ ہے کہ الانسان مدنی بالطبع ای لا بدله من الاجتماع الذی هوالمدینة فی اصطلاحہم دیکھیے: ابن خلدون: تاریخ ابن خلدون، (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۱)، ۱: ۵۴۔

2۔ دیکھیے: کمال ابن ابی شریف، **کتاب المسامره فی شرح المسایره للکمال بن ہمام (الاصل التاسع)**، القاهره: المکتبة الازهریه للتراث، ۲۰۰۴)، ۷۹۔ اسی طرح قاضی عیاضؒ نے الشفاء میں "واما وفور عقله وذکاء لبّه وقوّة حواسه" کے عنوان سے ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس میں اللہ کے محبوب اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال ذہانت وفطانت اور وفور عقل پر روشنی ڈالی ہے۔
اب رہا سوال آپ ﷺ کی عقل کی زیادتی، ذہن کی تیزی، حواس کی قوت، زبان کی فصاحت، حرکات و سکنات کے اعتدال اور اچھی اور پسندیدہ عادتوں کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ عقل مند اور زیادہ ذہین تھے...... حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا کہ میں نے اکہتر (آسمانی) کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ان تمام میں یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ عقل مند اور صائب الرائے تھے، جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان تمام کتابوں میں یہ بات پائی کہ جب سے دنیا پیدا کی گئی ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک تمام لوگوں کو آپؐ کی عقل کے مقابلے میں عقل نہیں دی گئی مگر ریت کے ایک ذرّہ کی مانند تمام دنیا کے ریگستانوں کے درمیان۔ ملاحظہ ہو: قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (فصل واما وفورعقله الخ)، (مصر: مکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، س۔ن)، ۱: ۶۶۔۶۷ نیز دیکھیے: السیوطی: الخصائص الکبری، باب الآیة فی عقله صلی الله علیه و سلم، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س۔ن)، ۱: ۶۶؛ الصالحی الشامی: سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد، فی وفور عقله، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ)، ۷: ۳۔۵۔
جب کہ جسمانی اور بدنی طاقت کے حوالے سے کئی احادیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس اور ایک روایت کے مطابق چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور ایک جنتی مرد کی قوت دنیا کے سو طاقتور مردوں کے برابر ہو گی۔ (محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الغسل باب اذا جامع ثم عاد ومن دارعلی النساء فی غسل واحد (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س۔ن)، ۱: ۴۱؛ السیوطی الخصائص الکبریٰ، باب الآیۃ فی جماعہ صلی اللہ علیہ وسلم، (لاہور: النفیس پبلشر، ۲۰۱۰)، ۱: ۱۱۹۔
چنانچہ قرآن مجید کی صراحت کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور باری تعالیٰ کی جانب سے فرعون اور اس کی قوم کو دینِ توحید کی دعوت دینے کا انہیں حکم دیا گیا تو اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور جانکاہیوں کے پیش نظر انھوں نے بارگاہ الٰہی میں جو دعاء کی اس میں یہ بھی عرض کیا کہ ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ (القرآن، ۲۰: ۲۹-۳۲) (اور تو میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر / مدد گار بنا دے (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس کے ذریعے تو میری پیٹھ کر مضبوط فرما دے اور اسے میرے (رسالت کی تبلیغ کے) کام میں شریک بنا دے۔)
اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ارشادِ الٰہی ہے:

امیر/حاکم کے لیے معاونین کی حاجت

مذکور تفصیل کے مطابق جب انبیاء کرام علیہم السلام جیسے انتہائی صلاحیتوں کے مالک اور ظاہری و باطنی طاقت کے کوہِ گراں افراد اپنے دعوتی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے معاونین و مددگار حضرات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ایک عام آدمی خصوصاً کسی حکومت وریاست کے سربراہ کے لیے حکومتی وریاستی نظم ونسق چلانے کے لیے ہاتھ بٹانے والے اور کام کا بوجھ اٹھانے والے اہل کاروں کی کتنی ضرورت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی نظام ہائے حکومت رائج ہیں حتی کہ مطلق العنان بادشاہت وملوکیت، تو اس میں بھی سارے اختیارات کے باوجود بادشاہ کے لیے عملی طور پر ممکن نہیں کے وہ پوری ریاست و حکومت کا نظام اکیلے سنبھال سکے۔ اس لیے اسے بھی نظام حکومت کے مختلف محکمہ جات چلانے کے لیے مرکزی، صوبائی، اور علاقائی سطح پر وزراء[4]، گورنروں، عمال، سول و فوجی افسران، اور چھوٹے درجے کے سرکاری اہلکاروں اور سیاسی نمائندوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مذکورہ ضرورت کی تفصیل یا توضیح علامہ ماوردی نے وزراۃ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے یوں بیان کی ہے:

وزارۃ کی دو قسمیں ہیں: وزارۃِ تفویض اور وزارۃِ تنفیذ، تو جہاں تک وزارتِ تفویض کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ امام/حاکم ایسے آدمی کو بوجھ اٹھانے (یا وزارت کا عہدہ قبول کرنے) کو کہے جو اپنی رائے سے معاملات کا انتظام کر کے اس (حاکم) کے سپرد کرے اور اپنے اجتہاد کے بل بوتے پر انہیں نافذ بھی کرے اور ایسی وزارت کا جواز شرعاً منع نہیں۔ چنانچہ اللہ کریم نے اپنے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعاء کی تھی:

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (القرآن،۳:۵۲)
(توجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان (یہود) سے کفر (اور اپنے قتل کا منصوبہ) یقینی طور پر معلوم کر لیا تو (اپنے ماننے والوں سے) فرمایا: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہوگا؟ تو (ان کے) خاص ساتھیوں نے عرض کیا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔ ہم لوگ اللہ کی ذات پر ایمان لا چکے اور آپ اس بات پر گواہ ہو جائیں کہ ہم لوگ فرمانبردار ہیں)
علی ہذا القیاس دین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں اعوان و انصار کی ضرورت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آخر الزماں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان الفاظ میں حوصلہ دیا گیا: ﴿حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (القرآن 64:9) (کافی ہے آپؐ کے لیے (دین کے کام میں) اللہ کریم اور اہل ایمان میں سے وہ لوگ جنہوں نے آپ کی پیروی کی)

4۔ وزیر کا لفظی معنیٰ ہی حکومت میں اس کی ضرورت و افادیت کو واضح کر دیتا ہے۔ چنانچہ وزیر کا لفظی معنی بتاتے ہوئے مفسر کبیر امام رازیؒ فرماتے ہیں:
وزیر کا لفظ "وِزر"۔ بوجھ اٹھانا) سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ (وزیر) بادشاہ سے اس کے (سرکاری) بوجھ اور (سرکاری کاموں میں) اس کی مشقت کو اٹھاتا (ہلکا کرتا) ہے۔ یا یہ لفظ "الوَزَر" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: وہ پہاڑ جس کے ذریعے قلعہ بند ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ اپنی رعیت کے سلسلے میں اس کی رائے کو قلعہ بناتا اور اس کو اپنے امور تفویض کرتا ہے۔ یا یہ لفظ "المُوازَرَۃ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی معاونت ہے اور الموازۃ کا لفظ آدمی کے ازار بند کی جگہ سے بنا ہے اور وہ، وہ جگہ ہوتی ہے کہ جب آدمی کسی مشکل کام کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کو مضبوطی سے باندھ لیتا ہے (تفسیر کبیر بذیل سورۃ طٰہٰ آیت ۲۹)

﴿ وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ ۝ هٰرُوۡنَ اَخِی ۝ اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ ۝ وَ اَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴾[5]

(اور تو بنا میرے لیے ایک وزیر میرے اہل خانہ میں سے میرے بھائی ہارون کو (اور یوں) تو اس کے ذریعے میری کمر کو مضبوط فرما اور اس (ہارون) کو میرے کام میں شریک بنا۔

تو جب یہ وزارت نبوت میں جائز ہے تو امامت / حکومت کے کام میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور اس لیے بھی کہ امام کو ساری اُمّت کی تدبیر کا جو معاملہ سونپا جاتا ہے تو وہ (بہ تقاضائے بشریت) اس امر کی طاقت نہیں رکھ سکتا کہ وہ سارے حکومتی فرائض کو بذات خود سرانجام دے الآیہ کہ وہ اس معاملے میں کسی کو اپنا نائب / قائم مقام بنائے اور وزیر کی نیابت، جو انتظامات میں اس کا شریک ہوتا ہے، معاملات کے نفاذ میں زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ اکیلا سرانجام دے اور اس کے ذریعے وہ پھسلنے سے بچ جائے گا اور کسی بھی قسم کی خرابی میں پڑنے سے زیادہ محفوظ ہو جائے گا۔[6]

اسی طرح **الموسوعة لفقهية الكويتية** کے فاضل مرتبین نے "امارۃ" کا معنی، اس کی قسمیں اور اس میں امیر (سربراہ حکومت) کے لیے نائبین / ماتحت امراء / عمال کے تقرر کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

تنقسم الامارة الى عامة و خاصة، اما العامة فالمراد به الخلافة اوالامامة الکُبرٰی، وهى فرض كفاية وينظر تفصيل احكامها فى مصطلح "امامة كُبرٰى" واما الامارة الخاصة: فهى لاقامة فرض عين من فروض الكفاية دون غيره كالقضاء والصدقات والجند اذادعت الحاجة الى ذالك التخصيص۔وقد يكون التخصيص مكانيا كالا مارة علٰى بلد او اقليم خاص كما يكون زمانيا كاميرالحاج و نحوه[7]

والامارة الخاصة من المصالح العامة للمسلمين والمنوطةبنظر الامام۔وكان الرسول صلّى الله عليه وسلّم ينيب عنه عُمّالًاعلى القبائل والمدن وفعل ذالک الخلفاء الراشدون۔ وعدما اصحاب كتب الاحكام السلطانيه من الامور الازمة على الامام، فيجب عليه ان يقيم الامراء على النواحى والجيوش والمصالح المتعددة فيما لايستطيع ان بباشربنفسه ۔[8]

(امارۃ کی دو قسمیں ہیں: امارۃ عامّہ اور امارۃ خاصہ، امارۃ عامہ سے مراد خلافت اور امامتِ کُبریٰ ہے اور وہ (یا اس کا قیام شرعی طور پر) فرض کفایہ اور اس کے احکام کی تفصیل "امامۃ کبری" کی اصطلاح / مادہ کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور جہاں تک امارۃ خاصہ کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت فروض کفایہ میں سے کسی معین فرض کی ادائیگی کے لیے ہوتی ہے جس طرح قضاء (کسی کو مقدمات / تنازعات کے فیصلہ کے لیے قاضی بنانا) صدقات کی وصولی اور تقسیم کے لیے اور لشکر کی تیاری کے لیے کسی عامل کا تقرر جب کہ اس تخصیص / تقرری کی ضرورت پیش آجائے۔ اور یہ تخصیص (مخصوص امارۃ) مکانی ہو سکتی ہے جیسے کسی شہر اور مخصوص علاقہ پر امیر / عامل مقرر کرنا پھر یہ امارۃ خاصہ

---

[5] ۔ القرآن، ۲۰:۲۹-۳۲۔

[6] ۔ ابوالحسن على بن محمد الماوردى، **الاحكام السطانيه** ، مترجم: عبدالمالک عرفانی (لاہور: قانونی کتب خانہ، س ن)، 50۔

[7] ۔ نفس مصدر، ۱۳۔

[8] ۔ محمد بن على شوكانى، **فتح القدير** (بیروت: دارالمعرفۃ، 2007ء)، 2: ۳۶۷-۳۶۸۔

زمانی بھی ہوتی ہے جیسا حج وغیرہ کی ادائیگی کے لیے کسی کو امیر بنانا۔ اور یہ امارۃ خاصہ (مخصوص لوگوں کو امیر بنانا) عام مسلمانوں (عوام، رعایا) کے مصالح عامہ میں سے اور امام / حاکم کی صوابدید پر منحصر ہے۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختلف قبائل اور شہروں پر اپنی طرف سے عُمّال (گورنروں) کو نائب بناتے تھے۔ پھر خُلفاءِ راشدین نے بھی یہ کام کیا۔ چنانچہ **الاحکام السلطانیہ** کے موضوع پر کتابوں کے مصنفین نے ان امور کو شمار کیا ہے جو امام پر لازم ہیں تو (ان تمام امور / ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے) اس پر واجب ہے کہ مختلف علاقوں، لشکروں پر اور دیگر متعدد مصالح عامہ کی تکمیل کے لیے وہ امراء کا تقرُّر کرے جنہیں وہ بذات خود سرانجام دینے کی طاقت / گنجائش نہیں رکھتا۔

ریاستِ مدینہ میں عُرفاء کا تقرُّر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جس ریاست کی بنیاد رکھی اس میں درج بالا ضرورت کے تحت آنجناب علیہ السلام نے میرٹ کی بنیاد پر متعدد اہل ترین صحابہ کو حکومتی کاروبار میں شریک فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی سی ریاستِ مدینہ کے لیے جو نظام حکومت تشکیل دیا، معروضی حالات کے پیش نظر اس کی بنیاد زیادہ تر عرب میں صدیوں سے مروج قبائلی نظام پر رکھی گئی۔ البتہ اس میں ضروری اصلاحات کی گئیں اور اسے شریعت کے مطابق ڈھالا گیا۔

عہدِ نبوی میں قائم کردہ نظامِ حکومت میں جہاں مرکزی اور صوبائی سطح پر بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور ان پر فائز عہدہ داروں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں نائبین رسولؐ، عمال / ولاۃ (گورنر) قضاۃ (قاضی) محصلین زکوٰۃ و جزیہ، قاصدینِ رسولؐ، داعیان اسلام، اور سفراء وغیرہ[9]۔ وہاں مقامی اور قبیلہ کی سطح پر بھی بعض چھوٹے عہدہ داروں یا اداروں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً عرافت اور نقابت۔ عرافت سے متعلقہ فرد کو عریف (جمع عُرفاء) اور نقابت سے متعلقہ آدمی کو نقیب (جمع نُقباء) کہا جاتا تھا۔ جو قبیلہ اور خاندان کی سطح پر اپنے اپنے قبیلہ و خاندان کی نمائندگی کرتے اور ان کے احوال سے اپنے "باس" (Boss) کو آگاہ کرتے تھے۔

عہد جاہلیت میں عرب کے قبائلی نظام میں عریف کا عہدہ پائے جانے اور اس کی ذمہ داریوں کے حوالے سے "**المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام**" میں درج ہے:

> ویقال للذی یتولی امرالقبلة اوالجماعة من الناس یلی امورهم وینقل الی الملک احوال الناس "العریف" وکان للملوک "عرفاء" هم بمثابة عیونهم علی القبائل ویظهر من بعض الاخبار ان العرافة کانت نوعاً من الرئاسة والزعامة والدرجة "[10]

[9]۔ علامہ شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی**، تاسیس حکومت الٰہی (لاہور: مطبوعہ الفیصل، ۱۹۹۱ء)، 2: ۲۰-۲۱۔

[10]۔ الدکتور جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام** (بیروت: دارالساقی، 2001ء)، ۹: ۲۹۳۔

(اور وہ آدمی جو کسی قبیلہ یا لوگوں کی ایک جماعت کے معاملات کا نگران بنتا اور لوگوں کے احوال / خبریں بادشاہ تک پہنچاتا، اسے "عریف" کہا جاتا تھا اور بادشاہوں کے کئی "عرفاء" ہوتے تھے جو قبائل پر ان کے سرداروں / کمانڈروں کے قائم مقام ہوتے تھے اور بعض اخبار / روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک عرافۃ ایک قسم کی سرداری، شرف اور درجہ / بلند مرتبہ تھا)

اسی طرح **موسوسة القبائل العربيه** میں یہ صراحت موجود ہے کہ ولقد اشتہر من العریف اناس کثیرون منہم الخ۔[11] (بہت سے لوگ ان میں سے عریف کے طور پر مشہور تھے۔) جن میں درج ذیل لوگ شامل تھے پھر ان کے نام بتائے گئے ہیں۔ جن کا شمار چنداں ضروری نہیں۔

درج بالا وضاحت کے مطابق عریف کا عہدہ چونکہ عرب میں مروج تھا۔ اس لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلامی ریاست میں بعض ضروری ترامیم / اصلاحات کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔ جس کی تائید قدیم اور نامور مؤرّخ طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اسی طرح عرفاء کا تقرر کیا گیا جس طرح عہد نبوی میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ طبری کے الفاظ ہیں:

فعرّف علیٰ کل عشرة رجلاً کما کانت العرفات ازمان النبی صلی الله علیه وسلم۔[12]

(تو انہوں (حضرت عمرؓ) نے ہر دس آدمیوں پر ایک آدمی کو بطور عریف مقرر فرمایا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ / عہد مبارک عریفوں کا تقرر ہوتا تھا)

علاوہ ازیں نامور محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عہد نبوی کے نظام حکومت کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

انتظامات مملکت اور سیاست مدن کے لیے جہاں بہت سے عام ادارے (گورنری، عدالت، تحصیل، لگزاری وغیرہ) قائم ہوئے وہیں شہروں اور قبیلوں کا اندرونی نظام بھی درست کیا گیا۔ ہر گاؤں یا بڑے شہر کے ہر محلے میں ہر دس دس آدمیوں پر ایک عریف مقرر ہوتا تھا اور جملہ مقامی عریفوں کا ایک نقیب ہوتا جو براہ راست عامل (گورنر) کے پاس جواب دہ ہوتا۔ اور عامل کے احکام کا نفاذ بھی اس کے ذریعے سے ہوتا۔ عریف کا کام عموماً نوجوانوں کو دیا جاتا اور وہ بڑی مستعدی اور پھرتی سے اپنے فرائض بجالاتے، ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کے متعلق ہزاروں آدمیوں سے رائے لینی تھی، یہ کام عریفوں نے دیکھتے دیکھتے انجام دے دیا اور نتیجہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیا[13]۔

---

[11] ۔ محمد سلیمان الطیب، **موسوعة القبائل العربيه** (بیروت: دار الفکر العربی، 2010ء)، ۶: ۶۲۷۔

[12] ۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، **تاریخ الرسل والملوک** (قاہرہ: دار المعارف، س-ن)، ۳: ۴۸۸۔

[13] ۔ ڈاکٹر حمید اللہ، **عہد نبوی میں نظام حکمرانی** (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ۲۳۵۔

درج ذیل روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ عہدہ عہد نبوی اور مدینہ منورہ کے اندر موجود تھا، چنانچہ حضرت طلحہ بن عمرو البصریؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ہم میں سے کوئی آدمی جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتا تو اس صورت میں اگر اس کا کوئی عریف مدینہ منورہ میں موجود ہوتا تو وہ اس کے ہاں قیام کرتا اور اگر وہاں اس کا کوئی عریف نہ ہوتا تو وہ اصحاب صفہ کے ساتھ قیام پذیر ہوتا۔ چنانچہ میں جب مدینہ منورہ آیا تو میرا وہاں کوئی عریف نہ تھا لہذا میں اصحاب صفہ کے پاس اترا[14]۔

اسی طرح حضرت عبید اللہ بن فضالہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: جس آدمی کا کوئی عریف ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے عریف پر اترے (اس کے ہاں قیام کرے) اور جس آدمی کا کوئی عریف نہ ہو تو وہ اہل صفہ پر اترے (ان کے پاس قیام کرے)۔ وہ کہتے ہیں تو (اس ہدایت نبوی کے مطابق) میں اہل صفہ کے پاس اترا۔ تو (اسی دوران) جمعہ کے دن ایک آدمی نے پکار کر کہا جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے، یارسول اللہ! بھوک (تنگدستی) نے مار دیا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا:

> تم میں سے جو آدمی زندہ رہا تو وہ عنقریب دیکھے گا کہ اس پر صبح شام کھانے کا پیالہ پیش کیا جاتا ہے اور تم کعبہ شریف کے پردوں کی طرح قیمتی کپڑے پہنو گے۔[15]

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اگرچہ دیگر اداروں یا عہدوں کی طرح مذکورہ عہدوں/اداروں (عرافت اور نقابت) اور ان کی ذمہ داریوں اور سرگرمیوں کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی تاہم اکاّ دکاّ روایات اور واقعات (جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں آرہا ہے) سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی درجے میں یہ ادارے موجود تھے اور اپنا کام کر رہے تھے۔ پھر عہد نبوی کے بعد بھی خلافت راشدہ، بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد حکومت میں بھی ان کا وجود دکھائی دیتا ہے۔ جس کی تفصیل زیر نظر تحریر سے خارج ہے۔

مقامی نمائندوں کی ضرورت واہمیت

ہمارا روزمرّہ کا مشاہدہ اور اس پر ہر دور میں دنیا کے اندر قائم حکومتوں کی گواہی ہے کہ کسی بھی حکومت کے مرکزی منتظمین، گورنروں، وزرائے اعلیٰ، وفاقی وزراء، سیکرٹریوں اور ضلع وڈویژن لیول کے سرکاری افسران کے پاس عام طور پر

[14]۔ امیر ابن بلبان الفاسی، **الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان**، کتاب التاریخ، باب اخباره صلی الله علیه وسلم عمایکون فی امته، (بیروت: دارالفکر العربی، 2010ء)، ۳:۲۵۱۔

[15] ابوالحسن علی الجزری ابن الاثیر، **اسد الغابه فی معرفة الصحابه**، حرف العین، باب العین والیاء، (بیروت: دارالکتب العلمیة، س-ن)، ۳:۵۲۳۔

(الاماشاء اللہ) ہر علاقے/ آبادی/ گاؤں کے مقامی لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گلی محلے کے اجتماعی وانفرادی مسائل پر توجہ دینے کے لیے فرصت ہوتی ہے نہ قدرتی و فطری طور پر کوئی دلچسپی۔ بالفرض اگر کسی انتہائی ذمہ دار افسر کو دلچسپی ہو بھی سہی تو وہ مقامی معاملات و مسائل کو پوری طرح سمجھتا ہے نہ آسانی سے انہیں سلجھا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں شاید وہ مقامی لوگوں کی تسلی و اطمینان کے مطابق کام بھی نہ کر سکے۔ اس لیے ہر زمانے اور ہر علاقے میں عام طور پر ایسے افراد کی ضرورت رہی ہے جو مقامی مسائل کو کماحقہ حل کر سکیں اور مقامی لوگوں کے اعتماد اور اطمینان کا سامان بھی کر سکیں۔ وطن عزیز سمیت کئی ممالک میں بلدیاتی نظام اور بلدیاتی عہدہ داروں کا انتخاب یقیناً اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ عرب کے قبائلی نظام میں بھی اسی نوعیت کے دو مقامی عہدے عریف اور نقیب موجود تھے جنہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامی ضرورت کے تحت بعض ضروری اصلاحات کے ساتھ قائم رکھا۔ ان میں سے صرف عریف کے عہدے کا تعارف اور ذمہ داریوں پر زیر نظر مقالہ میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عریف/عرافۃ کا معنٰی

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر عرافۃ اور عریف کے معنٰی یا لغوی و اصلاحی تعریف پر بھی ڈال لی جائے تاکہ اس عہد کی اہمیت و ضرورت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اس لیے اس کے معنی پر ذیل میں تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چنانچہ **الموسوعة الفقهية الكويتية** میں اس کی تعریف کچھ یوں ہے:

> العرافة بالكسرتأتى بمعنيين، الاول: بمعنى عمل العرّاف وهو مثقل بمعنى المنجم والكاہن وقيل العراف يخبر عن الماضى والكاہن يخبر عن الماضى والمستقبل۔و الثانى: العرافة مصدر عرفت على القوم عرف فانا عارف اى مدبر امرهم وقائم بسياستهم وعرُفت عليهم بالضمة لغة فانا عريف۔[16]
>
> العرافۃ(کسر کے ساتھ) کا لفظ درج ذیل دو معنوں میں مستعمل ہے، پہلا: عرّاف کے عمل کے معنی میں اور عراف کا اطلاق نجومی اور کاہن پر بھی ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "العرّاف" ماضی کے واقعات سے متعلق خبریں دیتا (تیر تکہّ لگاتا) ہے جب کہ کاہن ماضی اور مستقبل دونوں کے بارے میں خبر دیتا (تیر تکاّ لگاتا) ہے، دوسرا معنی: عرافۃ عرف یعرف (باب ن) کا مصدر ہے۔ جس کا صلہ علی القوم ہو تو اس کا معنی ہے قوم کا سردار ہونا۔ اس باب سے اسم فاعل عارف (بروزن فاعل) آتا ہے یعنی قوم کے معاملے کی تدبیر کرنے والا اور ان کی سیاست کا انتظام کرنے والا جب کہ عرُفت علیہم ضمہ کے ساتھ (باب کرم) کا معنی بھی یہی ہے یعنی سردار ہونا مگر اس باب سے اس کا فاعل عریف (بروزنِ فعیل) آتا ہے۔

[16]۔ ابوالعباس احمد بن محمد الحموی، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، حرف العين، عرافة (الكويت: وزارة الاوقاف والشئون الاسلاميہ، ۱۹۹۴ء)، ۳۰:۳۲۔

اسی طرح علاّمہ المناوی ایک حدیث(جو آگے آ رہی ہے)کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان العرافة بالکسر وہی تدبّر امرالقوم والقیام بسیاتہم والعریف ہوالقیم بامرالقوم الذی عرف بذالک وشہر۔[17]

(بیشک العرافۃ کا لفظ عین کے کسرہ(زیر) کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے: قوم کے معاملے کی تدبیر کرنا اور ان کے سیاسی امور کا انتظام کرنا اور عریف وہ آدمی ہے جو قوم کے معاملے کا انتظام کرنے والا ہوتا ہے اور اس حوالے سے معروف اور جانا پہچانا ہوتا ہے۔)

عرافۃ اور عریف کے معنی کی مزید وضاحت کچھ یوں کی جاسکتی ہے کہ:

مادہ "عَرَفَ" کا مصدر عرفان اور معرفۃ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے: پہچاننا، جاننا اور اگر مصدر اعرافة (علی القوم) ہو تو پھر اس کا مطلب ہے: چودھری ہونا، قوم کے معاملات کا انتظام کرنا، قوم کی سیاست کرنا، تو اس مادہ سے اسم صفت "عریف" کا اطلاق ذیل کے معنوں پر ہوتا ہے: جاننے والا، عالم، اپنے ساتھیوں کا تعارف کرانے والا، قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا، نقیب اور یہ رئیس سے کم مرتبہ کا ہوتا ہے۔[18]

عربی لغت کی معروف اور عام کتاب "المنجد" میں عریف کی تعریف درج بالا تعریف سے ملتی جلتی ہے۔ صاحبِ لسان العرب نے عریف کی جو تعریف کی ہے وہ بڑی جامع ہے جس سے اس کی ذمہ داریوں پر بھی روشنی پڑتی ہے، فرماتے ہیں:

والعریف: القیم والسید لمعرفته بسیاسة القوم... قال ابن الاثیر: العرفاء جمع عریف وہوالقیم بامور القبیلة اوالجماعة من الناس یلی امورہم ویتعرف الامیر منه احوالہم فعیل بمعنی فاعل والعرافة عمله۔[19]

(عریف کا معنیٰ ہے: منتظم اور سردار، اس لیے کہ وہ قوم کی سیاست سے بخوبی واقف ہوتا ہے... علامہ ابن الاثیر (صاحب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر) فرماتے ہیں: عرفاء کا لفظ عریف کی جمع ہے اور اس کا مطلب ہے: قبیلہ کے امور / معاملات کا منتظم یا لوگوں کی ایک جماعت کا منتظم جن کے امور کا وہ متولی / نگران ہوتا ہے اور امیر / حاکم اس سے ان لوگوں / رعایا کے احوال معلوم کرتا ہے۔ یہ لفظ اسم صفت، اسم فاعل کے معنی میں ہے جب کہ عرافۃ اس عمل (عریف بننے) کو کہتے ہیں۔)

صاحبِ **بذل الجمہود شرح سنن ابی داؤد** نے بھی ابن اثیر (صاحبِ نہایہ) کا حوالہ دیے بغیر ایک حدیث (جس کا حوالہ آگے آرہا ہے) کی شرح میں بعینہ عریف کی یہی تعریف لکھی ہے[20]۔ صاحب تاج **العروس** اور

[17] ۔ عبدالرؤف المناوی، **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للسیوطی**، (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۹۷۲ء)، ۲:۳۷۶۔

[18] ۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، **مصباح اللغات**، (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۷۳ء)، ۵۴۵۔

[19] ۔ ابن منظورافریقی، **لسان العرب**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۶ء)، ۹:۱۵۴۔

[20] ۔ خلیل احمد السہارنفوری، **بذل المجہود فی حلّ سنن ابی داؤد**، (بیروت: دارالبشائر الاسلامیۃ، ۲۰۰۶ء)، ۱۰:۱۱۱۔

القاموس المحیط نے بھی الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ عریف کا یہی معنیٰ اور مفہوم بیان کیا ہے۔ الغرض ملا علی قاری نے "عریف" کی جو تعریف کی ہے، اس نے اس عہدہ کو مزید واضح کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

عریف: ھوالقیّم بامر قبیلة ومحلّة یلی امرھم ویتعرّف الامیر منه احوالھم ومنھم رؤس القری و ارباب الولایات[21]۔

(عریف: وہ ایک قبیلہ اور محلہ کے معاملے کا منتظم اور ان کے معاملے کا والی / نگران ہوتا ہے اور امیر / حاکم اس سے ان (قبیلہ والوں) کے حالات معلوم کرتا ہے اور ان (عرفاء) میں سے بستیوں کے سردار اور ریاستوں کے والی ہوتے ہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تعریف نے عریف کے مفہوم و معنیٰ کو معیّن کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

وھوالقائم بأمرطائفة من النّاس من عرفت بالضمّ وبالفتح علی القوم اعرف بالضم فانا عارف وعریف ای ولیت امر سیاستھم وحفظ امورھم وسمی بذالک لکونه یتعرف امورھم حتی یعرّف بھامن فوقه عندالاحتیاج وقیل العریف دون المنکب وھودون الامیر[22]۔

(عریف لوگوں کی ایک جماعت کے معاملے کا منتظم / دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ لفظ مادہ عرف سے ماخوذ ہے جسے پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے (عَرُف سے باب کرم) اور زبر کے ساتھ بھی (عرف ض) مگر ضمہ / پیش کے ساتھ زیادہ معروف ہے۔ انا عارف و عریف دونوں طرح کہنا صحیح ہے، یعنی میں نے ان لوگوں (جماعت) کی سیاست کے معاملے اور ان کے دیگر امور / معاملات کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی اور اسے عریف کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ ان کے معاملات کو اچھی طرح جانتا ہے حتی کہ بوقت ضرورت اپنے سے اوپر والے افسر کو بھی ان سے آگاہ کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عریف منکب سے نیچے اور وہ امیر سے نیچے ہوتا ہے۔)

اسی طرح علامہ یوسف افندی (م ۱۱۶۷ھ) نے صحیح بخاری کی ایک حدیث (جو آگے آرہی ہے) کی شرح میں العُرفاء (جمع عریف) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

العرفاء جمع عریف و عریف القوم ھوالذی یعرف امرھم واحوالھم وھودون الرئیس وفی التلویح العریف القیم بامرالقبیلة والمحلّة یلی امرھم و یعرف الامیر احوالھم و العرافة عمله وھوالنقیب وقیل النقیب فوق العریف۔[23]

(عرفاء کا لفظ "عریف" کی جمع ہے اور کسی قوم کا عریف وہ شخص ہوتا ہے جو ان / قوم کے معاملات اور ان کے احوال کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ رئیس سے کم درجے کا عہدہ دار ہوتا ہے اور "تلویح" میں ہے کہ عریف وہ شخص ہے جو

---

[21]۔ علی بن سلطان محمدعلی القاری، **مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح**،کتاب الامارة والقضاء، (ملتان: مکتبہ امدادیہ، س-ن)، ۷:۲۸۔

[22]۔ حافظ ابن حجر العسقلانی،فتح الباری شرح صحیح البخاری ،کتاب الاحکام ،باب العرفاء للناس (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س-ن)، ۱۳:۲۱۰۔

[23]۔ عبداللہ بن محمد یوسف أفندی زادہ، **نجاح القاری لصحیح البخاری** ،کتاب الوکالة باب اذا وھب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز (بیروت: دارالکتب العلمیہ ۲۰۲۱ء)، ۱۴:۲۹۔

کسی قبیلہ اور محلہ کے معاملات کا انتظام کرنے والا ہوتا ہے جو ان کے معاملے کا والی رنگران ہوتا ہے اور امیر (سربراہ حکومت) کو ان کے احوال سے آگاہ کرتا ہے جب کہ عرافۃ اس کے عمل کو کہتے ہیں۔ اسے نقیب بھی کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نقیب، عریف کے اوپر (یا اس کا سینئیر) ہوتا ہے۔)

عَرِیف (ج عرفاء) کے معنیٰ سردار رر ئیس کی تائید...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درج ذیل قول سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ (ان کے شاگرد) حضرت طاؤس (بن کیسان) رحمہ اللہ نے جب ان سے یہ پوچھا کہ مامعنی قول الناس: اهل القرآن عرفاء اہل الجنة۔ لوگوں کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ اہل القرآن اہل الجنۃ کے عرفاء ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: رؤسا ءاهل الجنة (اہل جنت کے سردار رر ئیس)[24]۔

"عریف" کے مفہوم کی مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو بعض شہری عہدوں پر تعینات (یا ان کے متولی) ہوتے ہیں۔

عصر حاضر میں وطن عزیز سمیت کئی ممالک میں نافذ "بلدیاتی نظام" عرب میں عہدِ جاہلیت اور عہد نبوی کے نظام عرافت کی ایک ترقی یافتہ شکل لگتی ہے۔ جس میں عرفاء کا کام یونین کونسل کے کونسلرز کرتے ہیں۔ جاہلی و نبوی عہد میں قبائل کا جو ایک منظم نظام تھا۔ اب اس کا وجود عملی طور پر ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ وارڈوں اور یونین کونسلوں نے لے لی ہے۔ اس بلدیاتی نظام کے ذریعے ہر قصبے، گاؤں، آبادی میں گلی محلے کے مسائل مثلاً سیوریج، سڑکیں، اینٹوں والی گلیاں، پلیں، ٹرانسپورٹ، ابتدائی تعلیم اور پانی کی نکاسی وغیرہ کے معاملات انہی بلدیاتی نمائندوں (عرفاء) کے ذریعے حل کیے جاتے ہیں۔

احادیثِ نبوی میں عریف رعرفاء کا تذکرہ

کئی احادیث نبوی میں ریاستِ مدینہ کے سربراہ اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرافۃ، عریف اور عرفاء کا ذکر کیا اور بعض عرفاء کی تقرری فرمائی ہے اور اس سلسلے میں بعض اصولی و بنیادی ہدایات و تنبیہات بھی فرمائی ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ عہدہ یا ادارہ کسی نہ کسی درجہ میں موجود تھا اور اپنا کام کر رہا تھا۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ عہدہ کتنا ذمہ دارانہ، کتنی امانت و دیانت اور کتنے عدل و انصاف کا متقاضی اور کس قدر نازک تھا۔ مگر اتفاق ایسا ہے کہ عہد نبوی کے دیگر عہدہ داروں کی طرح اس عہدہ کی زیادہ تفصیل اور احکام نہیں ملتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ **الموسوعة الفقهية** کے مرتبین کو یہ لکھنا پڑا کہ:

---

[24]۔ ابوالحسن علی الجزری ابن الاثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، حرف العین، باب العین مع الرّاء (ریاض: مکتبۃ الاسلامیہ۔ س۔ن)، ۲۱۸:۳۔

اما العرافة بالمعنى الثانى امارة فلم نجد لها احكاما فقهية تحت هذا اللفظ و تؤخذ احكامها من مصطلح [25]۔

(جہاں تک عرافت کے دوسرا معنی (سرداری/سردار) کا تعلق ہے تو اس کے لیے ہم اس لفظ کے تحت کوئی فقہی احکام نہیں پا سکے۔ البتہ اس کے احکام ایک دوسری اصطلاح "امارۃ" سے اخذ کیے جائیں گے۔)

بہر کیف اس سلسلے کی چند احادیث نبوی/روایات کا مطالعہ آئندہ سطور میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

حدیث نمبر ۱

عن المقدام بن معديكربؓ ان رسول الله صلّى الله عليه و سلم ضَربَ على منكبيه ثم قال افلحت يا قُديم ان متَّ ولم تكُن اميراً ولا كاتباً ولا عريفًا[26]۔

(حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ (معروف صحابی) سے (خود بیتی) روایت ہے کہ (ایک موقعہ پر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (شفقت کے طور پر اور متوجہ کرنے کے لیے) ان کے کندھوں پر اپنا ہاتھ مبارک مارا پھر (از راہِ محبت ورأفت) فرمایا: اے قُدیم! تونے کامیابی حاصل کر لی (دنیا و آخرت میں) اگر تو اس حال میں مرا کہ نہ تو امیر/حاکم تھا، نہ کاتب/سیکرٹری اور نہ عریف)

حدیث میں مذکور تینوں عہدے انتہائی ذمہ دارانہ قسم کے اور ہمت طلب ہیں اور ممکن ہے حضرت مقدام طبعی طور پر ان ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہ رکھتے ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت سے ان کی اس طبعی کمزوری کو دیکھ رہے ہوں، اس لیے از راہِ شفقت انہیں ہدایت فرمائی کہ ان عہدوں سے اجتناب ہی تمہارے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہو گا۔ ورنہ شرعی طور پر ان عہدوں کا حصول ممنوع اور ناجائز نہیں۔ اگر ایسا ہو تا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر صحابہ کو ان مناصب پر فائز نہ فرماتے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ جب کہ معروف حنفی فقیہ اور شارح حدیث ملا علی قاریؒ نے اس روایت میں "عریف" کے لفظ کو زیر بحث معنیٰ کے علاوہ "معروف و مشہور" کے مفہوم میں بھی لیا ہے۔ چنانچہ حدیث مذکور میں "ولا عریفاً" کی شرح میں فرماتے ہیں:

(ولاعريفاً) اى واحد العرفاء او ولا معروفاً يعرفک الناس ففيه اشارة الى انّ الخمول راحة والشهرة آفة[27]۔

[25]۔ **الموسوعة الفقهيه**(الکویت: وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ۳۰:۳۲۔

[26]۔ ابوداؤد سليمان بن اشعث السجستانى، **السنن**، كتاب الخراج والفى والا مارة، باب فى العرافة (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س-ن) ۵۸:۲۔

[27]۔ ملا على قارى، **مرقاة المفاتيح**، ۲۲۱:7۔

"اور نہ عریف"یعنی یہ لفظ عرفاء کا واحد ہے یا یہ مراد ہے کہ اتنا جانا پہچانا نہ بنا کہ ساری دنیا تجھے جانتی پہچانتی ہو۔ تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گمنامی اور غیر شہرت یافتہ رہنا ہی راحت و سکون کا باعث جب کہ شہرت و چرچا عموماً آفت کا ذریعہ بنتا ہے۔"(کیونکہ شہرت سے آدمی عموماً تکبّر جیسے تباہ کن باطنی گناہ کا شکار ہو جاتا ہے۔)

حدیث نمبر ۲

درج ذیل روایت بھی سنن ابی داؤد کی اور قدرے طویل ہے، دوسری طرف زیر بحث مسئلہ کے سیاق و سباق کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے، اس لیے اس کا متن درج کرنے کی بجائے صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

حضرت غالب القطان (تابعی) ایک آدمی (جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا) سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ (یا ان کا قبیلہ) سرِ راہ پانی کے چشموں میں سے ایک چشمہ ر گھاٹ پر رہائش پذیر تھے تو اس دوران ان کے پاس اسلام کی دعوت پہنچی تو چشمہ کے مالک نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ شرط ٹھہرائی کی اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ انہیں اسلام کے بدلے سو اونٹ دے گا تو وہ لوگ اسلام لے آئے اور اس نے (حسبِ وعدہ) ان کے درمیان سو اونٹ تقسیم کر دیے۔ بعد ازاں اسے محسوس ہوا کہ اسے اُن سے اپنے اونٹ واپس لے لینے چاہئیں تو (یہ قدم اٹھانے سے پہلے) اس نے اپنے بیٹے کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور اس سے کہا: تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اور آپؐ کی خدمت میں عرض کر کہ میرے باپ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے ہیں اور (یہ بتانا کہ) اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو سو اونٹ دیے تھے اس شرط پر کہ وہ اسلام قبول کر لیں، تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے (حسبِ وعدہ) ان میں سو اونٹ تقسیم کر دیے۔ مگر اب اسے یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ وہ اُن سے اُن اونٹوں کو واپس لے لے تو کیا وہ ان اونٹوں کا زیادہ حقدار ہے یا اس کی قوم (جن کے درمیان وہ اونٹ تقسیم کر چکا ہے)؟ تو اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم (اس استفسار کے جواب میں) تجھے ہاں فرمائیں یا نہ (دونوں صورتوں میں) آپؐ سے عرض کرنا کہ بے شک میرے والد عمر رسیدہ بزرگ آدمی ہیں اور وہ پانی کے عریف (عریف الماء) ہیں (یعنی منتظم) اور وہ آپؐ سے درخواست کر رہے ہیں کہ آپؐ ان کی وفات کے بعد مجھے عریف بنا دیں۔ تو وہ (بیٹا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے عرض کیا: بے شک میرے والد صاحب آپؐ کو سلام عرض کر رہے تھے۔ اس پر آنجنابؐ نے فرمایا: وعلیکم وعلی ابیک السلام (تجھ پر اور تیسرے باپ (دونوں) پر سلام ہو) پھر اس نے (مذکورہ قصہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے) عرض کیا: بے شک میرے باپ نے اپنی قوم کے لوگوں کو اس شرط پر اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں تو ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان سب کا اسلام بڑا خوبصورت (قابلِ تعریف) ہے۔ پھر اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان سے اونٹ واپس لے لے تو کیا وہ (والد صاحب) ان اونٹوں کا زیادہ حقدار ہے یا وہ لوگ؟ تو اس پر آپؐ نے جواب دیا: اگر اسے یہ لگے کہ وہ (حسبِ وعدہ) ان اونٹوں کو ان کے سپرد کر دے تو اسے چاہیے کہ وہ انہیں ان کے سپرد کر دے (واپس نہ لے) اور اگر اسے واقعی انہیں واپس لینے کی ضرورت (مجبوری) محسوس ہو رہی ہے تو وہ ان سے زیادہ اونٹوں کا حقدار ہے۔ پس اگر

ان لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے تو ان کے اسلام کا فائدہ بھی انہیں کے لیے ہے اور اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے تو اسلام کے خلاف ان سے جنگ کی جاتی۔

اب اس نے دوبارہ بتایا کہ بے شک میرے والد صاحب ایک عمر رسیدہ بزرگ اور پانی / چشمہ کے عریف (منتظم) ہیں اور انہوں نے آنجنابؐ سے درخواست کی ہے کہ آپؐ ان کی وفات کے بعد مجھے عرافت کے منصب پر فائز فرما دیں۔ تو اس مطالبہ پر آپؐ نے (اس عہد کی نزاکت اور خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے) فرمایا:

اِنّ العِرَفة حقّ ولا بُدّ للناس من العُرفاء ولكن العرفاء فى النار[28]۔

[بے شک عرافت حق امر ہے (نہ کہ باطل اور غلط کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے سہولت اور نرمی کا پہلو پایا جاتا ہے) اور لوگوں کے لیے عرفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن اکثر عرفاء (اپنے اختیارات سے تجاوز اور ناجائز استعمال کے باعث) جہنم میں ہوں گے]۔

جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت اختصار کے ساتھ آئی ہے اور اس کے آخری الفاظ / جملے ہیں:

العرافة حق ،العرافة حق ولا بدمن عُرفاء ولكن العريف بمنزلة قبيحة[29]۔

[عرافۃ حق ہے، عرافۃ حق ہے اور عرفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن عریف (اپنے اختیارات کے غلط استعمال کی وجہ سے) برے مقام پر ہو گا]

اس حدیث / روایت کے مضمون کی تشریح و توضیح میں صاحبِ بذل المجہود فرماتے ہیں:

(انّ العرافة حقٌّ) اى مصلحة تدعوا اليه الضرورة (ولا بُدّ للناس من العرفاء) لينتظم مصالح القوم ويتعرف احوالهم فى ترتيب البعوث والاجناد والطايا والسهمان (ولكن العرفاء فى النار) اى على خطر من الوقوع فى المهالك والعذاب لتعذرالقيام بشر ائط ذالک فعليهم ان يراعوا الحق والصواب[30]۔

[(بے شک عرافت ایک حق ہے) یعنی ایک درست کام ہے غلط نہیں۔ کیونکہ ایک انتظامی ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے (اور لوگوں کے لیے عرفاء کا ہونا ضروری ہے) تاکہ وہ قوم / لوگوں کے مصالح کا بندوبست کر سکیں دوسرے فوجیں / لشکر ترتیب دینے اور مالی عطیات / حصوں کی تقسیم میں ان کے احوال اچھی طرح معلوم کر سکیں (البتہ زیادہ تر عرفاء جہنم میں ہوں گے) یعنی ان کے مصائب اور مشکل میں پڑنے کا خطرہ ہے کیونکہ اس عہدے کی شرائط کو پورا کرنا خاصا مشکل ہے۔ تو ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض / ذمہ داریوں میں حق اور صحیح بات کی رعایت کریں۔]

اس حدیث کی تفہیم کے لیے علامہ مناوی کی تشریح کا مطالعہ بھی بے جا نہ ہو گا۔ چنانچہ موصوف اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

[28]۔ ابوداؤد، **السنن**، ۲:۵۹۔

[29]۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ، **المصنف**، کتاب الادب باب ماقالوا فى كراهية العرافة (دمشق: مؤسسۃ علوم القرآن، 2006ء)، ۵:۳۴۲۔

[30]۔ السہارنفوری، **بذل المجہود**، ۱۰:۱۱۴۔

(ان العرافة) بالكسر وہی تدبر امرالقوم والقيام بسياستہم والعريف ہوالقيم بامرالقوم الذى عرف بذالک وشہر (حق) ای امر ينبغی ان يكون لما تدعواليه المصلحة بل الضرورة (ولا بدّ للناس) فی انتظام شملهم واجتماع كلمتهم (من العرفاء) ليتعرف الامير من العريف حال من جعل قيّماً عليه من قبيلة او اهل محلة ليرتب البعوث والاجناد ـ (ولكن العرفاء فی النہار) ای عاملون فيما يقودهم اليہا اوالمراد الذين لم يعدلوا وعبر بصيغة العموم اجراءً للغالب مجرى الكل ومقصوده التحذير من التعرض للرياسة والتأمر على الناس لما فيه من الفتنة التى قلما يسلم منہا عريف ووضع الظاہر موضع المضمر ايذانًابان العرافة على خطر و مباشرہا على شفا جرف ہار (د) فی الخراج من حديث غالب القطان ـ(عن رجل) من الصحابة وفيه قصة قال الصدر المناوى فيه مجاهيل[31]ـ

[(ان العرافة) عرافت کا لفظ عین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وہ قوم کے معاملے کی تدبیر اور اان کے سیاسی معاملات کے انتظام کرنے کا نام ہے اور عریف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قوم کے تمام امور کا نگران ہوتا ہے اور وہ اس ذمّہ داری کے لیے معروف اور مشہور ہوتا ہے (حقّ) یعنی یہ عرافت ایسا امر ہے جو معاشرے میں ہونا چاہیے کیونکہ مصلحت بلکہ ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے۔(ولابدّ للناس) اور لوگوں کے لے ضروری ہے ان کے اجتماعی امور کے انتظام اور انہیں متحد رکھنے کے لیے (من العرفاء) عرفاء کا ہونا۔ تاکہ امیر، عریف سے ان لوگوں کا احوال معلوم کر سکے جنہیں اس نے کسی قبیلہ یا محلہ پر نگران مقرر کر رکھا ہے تاکہ وہ لشکروں کی ترتیب کا انتظام کر سکے۔(ولكن العرفاء فی النار) لیکن زیادہ تر عرفاء جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے یعنی وہ ایسے ناجائز اور ظالمانہ کام کرنے والے ہوں گے جو انہیں جہنم میں لے جائیں گے یا ان عرفاء سے وہ لوگ / عرفاء مراد ہیں جنہوں نے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا ہوگا اور عموم یا جمع کا صیغہ لانا غالب / اکثر لوگوں کو کل کی جگہ پر لانا ہے (چنانچہ ایک عمومی کلیہ ہے کہ "للاكثر حكم الكل "یعنی اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے) اور اس سے مقصود ریاست / سرداری کو طلب کرنے اور لوگوں پر زبردستی امیر بننے (ملوکیت) سے ڈرانا ہے (کیونکہ جب آدمی اپنی خواہش اور طلب سے ریاست / ولایت حاصل کرتا ہے تو از روئے حدیث اسے اللہ کریم کی طرف سے تائید / توفیق حاصل نہیں ہوتی) کیونکہ اس میں بڑی آزمائش ہے جس سے کم ہی بچا جا سکتا ہے اور یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (العرفاء) کا لایا جانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ عرافت / سرداری کا کام خطرہ سے خالی نہیں اور اس عہدہ پر فائز آدمی دریا کے گرتے ہوئے کنارے پر کھڑے ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ابی داوٗد نے اپنی السنن کی کتاب الخراج میں غالب القطان سے روایت کیا ہے اور وہ صحابہ میں سے ایک نامعلوم آدمی سے روایت کرتے ہیں جس میں ایک قصہ بھی ہے۔ امام مناوی کا کہنا ہے کہ اس روایت میں ایک نہیں بلکہ تین مجہول راوی ہیں۔ اس لیے اس کا حکم "ضعیف روایت" کا حکم ہے۔ اسی طرح مولانا نواب قطب الدین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

[31]ـ عبد الرؤف المناوی، **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للسیوطی** (بیروت: دارالمعرفۃ،۱۹۷۲ء)، ۳۷۶/۲ـ

"چودھراہٹ ایک حقیقت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بال اور نگرانی کے لیے چودھری ہونا ایک امر واقعہ ہے اوران کی طرف لوگوں کی احتیاج مسلّم ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (اکثر) چودھری دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ اپنی چودھراہٹ میں حق وانصاف سے کام نہیں لیں گے اور عدل و ایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھیں گے۔ اس اعتبار سے چودھراہٹ کو قبول کرنا ہلاکت و عذاب کا سخت خطرہ مول لینا ہے۔ لہٰذا عاقل و دانا کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں ہوشیار رہے اور اس منصب کو قبول کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرے تاکہ وہ کسی ایسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنادے[32]۔

حدیث نمبر۳

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ویلٌ للاُمراء ویلٌ للعُرفاء ویلٌ الِلْاُمناء لیتمنینّ اقوام یوم القیامة ان نواصیهم معلقة بالثریا یتجلجلون بین السماء والارض وانّهم لم یلوا عملاً (روا ه فی شرح السنة وامام احمد)[33]

[حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی ہلاکت/بربادی ہے امراء/حکام کے لیے، بڑی ہلاکت/بربادی ہے عرفاء کے لیے اور (اسی طرح) بڑی تباہی ہے امانت داروں (وہ لوگ جن کو یتیموں کے مال، سرکاری خزانے اور صدقات کا امین بنایا گیا) کے لیے۔ یقیناً کچھ/بعض لوگ بروز قیامت اس بات کی آرزو کریں گے کہ ان کی پیشانیاں (دنیا میں ذلت کے طور پر) ثریا (ستاروں کے مجموعہ کا نام) کے ساتھ لٹکی ہوتیں اور آسمان وزمین کے درمیان حرکت کر رہی ہوتیں مگر انہوں نے کسی کام کی ولایت/نگرانی قبول نہ کی ہوتی (اس روایت کو امام بغوی نے شرح السنہ اور امام احمد نے نقل کیا ہے)]

ملا علی قاری نے اس روایت کے مضمون/مفہوم کی مزید وضاحت کے لیے لکھا ہے کہ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں:

لیتمنّین میں لام قسم کا ہے اور تمنا کا مطلب ہے: ایسی چیز کا طلب کرنا جس کا حصول ممکن نہ ہو اور جس بات کی وہ تمنا کریں گے وہ یہ ہو گی کہ ان کی پیشانیاں (انہیں ذلیل کرنے کے لیے) ثریا کے ساتھ لٹکی ہوتیں اور انہوں نے کوئی ولایت/نگرانی کا عہدہ قبول نہ کیا ہوتا یعنی وہ قیامت کے دن اس بات کی آرزو کریں گے کہ ان کے لیے وہ عہدے کی عزت، حکومت اور لوگوں پر برتری حاصل نہ ہوتی بلکہ وہ ذلیل ہوتے، ان کی پیشانیاں زمین و آسمان کے درمیان لٹکی ہوتیں، حرکت کر رہی ہوتیں اور جب وہ دنیا کی حکومت، ریاست اور عزّت کے بدلے میں قیامت کی ہلاکت وتباہی کا مشاہدہ کریں گے تو مذکورہ تمنا کریں گے۔ کیونکہ پیشانی کے ساتھ لٹکایا جانا ذلت ورسوائی اور حقارت کی مثل ہے۔ چنانچہ عرب جب کسی قیدی کو چھوڑنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ذلت ورسوائی کے طور پر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتے ہیں اور یہ (مذکورہ) آرزو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں موجود ندامت کے معنی میں ہے کہ

---

[32] ۔ نواب قطب الدین خان دہلوی، **مظاہر حق** (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۲ء)،۳:۶۵۱۔

[33] ۔ ابوعبدالله خطیب التبریزی، **مشکوٰة المصابیح**، کتاب الامارة والقضاء (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، س-ن)،۳۲۱۔

"بے شک تم لوگ عنقریب امارت (امیر و حاکم بننے) کی حرص کرو گے اور یہ حرص بروز قیامت (تمہارے لیے) ندامت کا باعث ہو گی"۔ تو (زیر بحث حدیث میں) آپ کا قول "لیتمنین اقوام" (لوگ ضرور بر ضرور تمنا کریں گے) عام میں تخصیص اور مطلق کو مقید کرنے کی مانند ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس معاملے میں ڈرانے کو عام کیا اور وعید میں مبالغہ فرمایا تو آنجناب علیہ السلام نے اس امر کا ارادہ کیا کہ اس عموم و مبالغہ کی تلافی کی جائے اور اس عریف کو اس وعید سے نکالا جائے جو اس عہدے کی ذمہ داری کا حق ادا کرتا ہے، اس میں ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے اجتناب کرتا، اس کے ذریعے ثواب کا مستحق قرار پاتا اور اس انعام کا حقدار ٹھہرتا ہے جس کا اللہ کریم نے عادل بادشاہ/حکمران سے وعدہ کیا ہے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیتمنین اقوم" یعنی ان عرفاء/حکمرانوں میں سے کچھ لوگ/ایک جماعت مذکورہ تمنا کرے گی اور یہ اس لیے کہ اس کے مفہوم مخالف پر بھی متنبہ کیا جائے۔ وہ یہ کہ حکمرانوں/عرفاء میں ایک دوسرا طبقہ بھی ہو گا جن کا حکم اس کے برعکس ہے اور وہ لوگ اللہ رحمٰن کے عرش کے دائیں طرف نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کلام کو پلٹا اور نہ عدل پرور/انصاف پسند حکمرانوں کے لیے مدح وستائش کے مفہوم مخالف کی صراحت فرمائی تاکہ کلام ظالم حکمرانوں کی مذمت کے مفہوم پر دلالت کرے کیونکہ یہ مقام و موقعہ ریاست/حکومت کی طلب و حرص سے خوف دلانے اور جھڑکنے کا تھا، اس لیے کہ عرافت اگرچہ بڑی ضروری چیز ہے اور اس کے بغیر لوگوں کے مال اور ان کی معاش کی اصلاح کا انتظام نہیں ہو سکتا لیکن وہ بہر کیف خطرہ سے خالی نہیں اور اس کے حقوق کا پاس کرنا خاصا مشکل ہے۔ تو اس صورت حال میں کسی عقل مند آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ بلا سوچے سمجھے اس میں کود پڑے اور اپنی طبعی لالچ سے اس کی طرف میلان/خواہش کرے کیونکہ جس آدمی کا قدم اس میدان میں پھسل گیا حق/درست راستے سے، تو وہ ایسی آزمائش میں پڑ جائے گا جو بالآخر اسے جہنم کے عذاب کی طرف لے جائے گی[34]۔

حدیث نمبر ۴

عرفاء کے حوالے سے درج ذیل روایت امام بخاری نے الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ اپنی صحیح میں کئی مقامات پر نقل کی ہے اور حسبِ معمول وضابطہ اس ایک روایت سے متعدد فقہی مسائل واحکام کا استنباط کیا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

امام ابن شہاب (محمد بن مسلم) زہریؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر کا کہنا ہے کہ بے شک مروان بن حکم (اموی خلیفہ) اور مسور بن مخرمہؓ دونوں نے انہیں خبر دی کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہوئے جب آپؐ کے پاس قبیلہ ہوازن کا وفد (چودہ آدمیوں پر مشتمل) اطاعت گزار بن کر آیا (جب کہ آپؐ طویل انتظار کے بعد مالِ غنیمت اور قیدی حسبِ ضابطہ مجاہدین میں تقسیم فرما چکے تھے)۔ انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کے اموال اور ان کے قیدی (دونوں چیزیں) انہیں واپس لوٹا دیں۔ اس پر اللہ کے

34۔ ملاعلی قاری، **مرقاۃ المفاتیح**، کتاب الامارۃ والقضاء، 7:219۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات سچی بات ہے، تو تم دو مطلوبہ چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ یا تو قیدی (چھ ہزار) یا مال اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) میں کئی دن تک مذکورہ چیزوں کے ساتھ تمہارا انتظار کرتا رہا اور تقسیم سے رکا رہا۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بارہ راتیں/ دن ان کی انتظار فرمائی تھی جب کہ آپؐ طائف سے واپس لوٹے تھے۔ تو جب ان پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک چیز ہی انہیں واپس لوٹائیں گے تو انہوں نے کہا: تو ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں (مجاہدین) کے درمیان کھڑے ہوئے، پھر پہلے اللہ کریم کی ایسے الفاظ میں حمد و ثناء بیان فرمائی جو اس کے شایانِ شان ہیں۔ بعد ازاں فرمایا: بے شک تمہارے یہ بھائی (قبیلہ ہوازن کے لوگ) ہمارے پاس (جنگ اور بغاوت سے) توبہ تائب اطاعت گزار بن کر آئے ہیں اور میرا خیال/ رائے ہے کہ میں انہیں ان کے قیدی واپس لوٹا دوں۔ (تاکہ ان کی تالیف قلبی ہو اور ان کے دلوں سے اہل اسلام کے خلاف بغض و عداوت محبت میں بدل جائے)۔ تو تم میں سے جو آدمی یہ بات پسند کرے کہ وہ بطیب خاطر/ دلی رضامندی سے یہ کام کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ ایسا کرے (اپنے حصے کا قیدی/ غلام/ باندی مفت میں ان کو واپس کر دے) اور جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ وہ اپنے حصے کا قیدی اس وقت تک واپس نہیں کرے گا حتیٰ کہ ہم اس کے بدلے میں اسے اس اوّلین مال فئ میں سے دیں جو اللہ ہمیں عنایت فرمائے گا تو بھی وہ ایسا کرے (ہمیں یہ شرط بھی قبول ہے) تو اس پر سب لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سب خوش دلی سے انہیں قیدی لوٹانے پر رضامند ہیں تو اس پر اللہ کے (عدل پرور) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح ہم نہیں جان سکتے کہ اس معاملے میں کس نے خوش دلی سے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں (اس طرح اجازت دینے والوں اور دلی طور پر نہ دینے والوں میں امتیاز مشکل ہے) لہٰذا تم سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف لوٹ جاؤ حتیٰ کہ تمہارے عرفاء/ سردار اس معاملے کو ہمارے پاس رپورٹ کریں۔ تو سارے لوگ اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے اور ان سے ان کے عرفاء/ سرداروں/ نمائندوں نے بات کی پھر وہ عرفاء اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لوٹ کر آئے اور آپؐ کو خبر دی کہ سب لوگوں نے (سوائے چند کے [35])

---

[35]۔ جن کی صراحت دوسری روایات میں موجود ہے کہ انہوں نے عوض طلب کیا تھا۔ دیکھیے عسقلانی: فتح الباری، كتاب الاحكام باب العرفاء للناس، (بیروت: دار الفکر، س۔ن)، ۱۳/ ۲۱۰۔

> خوش دلی سے آپ کے فیصلہ کو قبول کیا اور ان سب نے (کسی عوض کے بغیر واپس کرنے کی) اجازت دی ہے[36]۔ (البتہ چند ایک نے عوض کی شرط پر رضامندی ظاہر کی ہے[37]۔)

زیر نظر روایت سے حافظ ابن حجر نے جن مسائل کا استنباط کیا ہے۔ زیر بحث موضوع کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

> علامہ ابن منیر نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ اس روایت سے بغیر گواہی کے صرف اقرار پر حکم لگا دینے کا جواز مستفاد ہوتا ہے کیونکہ عرفاء نے ہر فرد کی طرف سے رضامندی کے اظہار/اقرار پر گواہ نہیں بنائے تھے۔ لوگوں نے ان (عرفاء) کے سامنے اقرار کیا اور وہ امام کے نائب تھے تو ان کے اس اقرار کا اعتبار کیا گیا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک حاکم اپنا حکم دوسرے اپنے سے بلند مرتبہ حاکم تک بنفس نفیس پہنچائے تو وہ اس کو نافذ کر دے گا جب کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر والی/حاکم ہو۔ مزید بر آں اس روایت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ عرفاء کی مذمت میں وارد روایت (جیسا کہ اوپر سنن ابو داؤد اور مشکوٰۃ کے حوالے سے گزر چکا ہے) عرفاء کے تقرر کو منع نہیں کرتی کیونکہ اگر ثابت بھی ہو جائے تو اس بات پر محمول ہے کہ عرفاء پر عموماً زیادتی، حد سے تجاوز اور انصاف سے کام نہ لینے جیسے جرائم غالب آجاتے ہیں جو ان کے معصیت میں پڑنے کا باعث بن جاتے ہیں[38]۔

علاوہ ازیں حافظ صاحب مذکور نے زیر بحث روایت سے درج ذیل مسائل و احکام کا بھی استنباط کیا ہے جن کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں:

> امام ابن بطال کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عرفاء کی تقرری کی مشروعیت کا جواز پایا جاتا ہے کیونکہ امام/سربراہ حکومت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ تمام حکومتی امور/معاملات کو بذات خود سر انجام دے تو وہ اس بات کا محتاج/ضرورت مند ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا تقرر کرے جو اس کی معاونت کریں تاکہ وہ لوگ/عمال اس کے لیے ان

36۔ (الف)البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الوکالة باب اذا وہب شیئاً لوکیل او شفیع قوم جاز، رقم حدیث:۲۳۰۷-۲۳۰۸۔
(ب)نفسِ مصدر، کتاب الہبة وفضلہا والتحریض علیہا، باب اذا وہب جماعة لقوم او وہب رجل جماعة، رقم حدیث:۲۶۰۷-۲۶۰۸۔
(ج)نفسِ مصدر، کتاب المغازی باب قول اللہ تعالٰی ویوم حنین اذا عجبتکم الخ، رقم الحدیث:۴۳۱۸-۴۳۱۹۔
(د)نفسِ مصدر، کتاب الاحکام باب العرفاء للناس، رقم الحدیث:۷۱۷۶-۷۱۷۷۔
(ھ)نفسِ مصدر، کتاب الخمس باب من قال و من الدلیل علٰی ان الخمس لنوائب المسلمین، رقم حدیث:۳۱۳۱-۳۱۳۲۔
(و)نفسِ مصدر، کتاب العتق باب من ملک من العرب رقیقاً الخ، رقم حدیث:۲۵۳۹-۲۵۴۰۔
(ر)نفسِ مصدر، کتاب الہبة و فضلہا والتحریض علیہا باب من رأی الہبة الغائبة جائزہ، رقم حدیث:۲۵۸۳۔
(ز)ابوداؤد، السنن، کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیر بالمال (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س-ن)، رقم حدیث:۲۶۹۳۔

37۔ عسقلانی، فتح الباری، کتاب الاحکام باب العرفاء للناس، ۱۳:۲۱۰۔

38۔ نفسِ مصدر، رقم حدیث:۷۱۷۶-۷۱۷۷۔

کاموں / ذمہ داریوں میں کافی ہوں (یا ہاتھ بٹائیں) جن پر وہ انہیں تعینات کرے۔ امام ابن بطال کا مزید کہنا ہے کہ امر دینی کا کوئی حکم جب سب لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بعض لوگ دوسروں پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کام کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یوں بسا اوقات اس میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے تو اس صورت حال میں جب امیر ہر قوم / قبیلہ پر ایک عریف مقرر کر دے گا تو ہر ایک کے لیے اس حکم پر عمل کے سوا کوئی گنجائش نہ ہو گی۔

......جب کہ ابو داؤد کی درج بالا حدیث (والعرفاء فی النّار) کے حوالے سے امام طیبی کا کہنا ہے کہ اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا لایا جانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ عرافت (عریف بننا) ایک خطرناک چیز ہے اور جس آدمی نے اسے (اپنی حرص و لالچ میں) اختیار کیا تو وہ ایسے ممنوع کاموں میں پڑنے سے نہیں بچ سکتا جو اسے عذاب میں لے جاتے ہیں۔

اسی طرح علاّمہ عینی کا اس حدیث کی شرح میں کہنا ہے:

وفيه: انه يجوز للامام اذا جاء ه اہل الحرب مسلمین بعد ان غنم اموالہم واہلیہم ان یردّ علیہم اذرأی فی ذالک مصلحة، وفيه اتخاذ العرفاء[39]۔

(اور اس روایت میں یہ شرعی مسئلہ بھی داخل ہے کہ امام / خلیفہ / سربراہ حکومت کے لیے جائز ہے کہ جب اس کے پاس اہل حرب اطاعت گزار / فرمانبردار بن کر آجائیں بعد اس کے کہ وہ ان کے اموال اور ان کے اہل و عیال پر بطور غنیمت قبضہ کر چکا یا مجاہدین میں تقسیم کر چکا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان کو واپس لوٹا دے جب کہ وہ اس میں کوئی مصلحت دیکھ رہا ہو۔ نیز اس روایت میں عرفاء بنانے کا شرعی جواز بھی موجود ہے۔)

علیٰ ہذا القیاس علامہ کتانی نے صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کے حوالے سے لکھا ہے:

بعض مراکشی علماء نے مذکور الصدر حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عریف مقرر کرنا ضروری ہے تاکہ جنگوں، ضمانتوں اور دوسرے تمام معاملات میں سردار اور قائدین اپنے ہم قبیلہ اور زیر اثر لوگوں کی ذمہ داری نبھائیں۔ اس استدلال کی گہرائی واضح ہے[40]۔

حدیث نمبر ۵

---

[39]۔ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمدعینی، **عمدة القاری شرح صحیح بخاری**، کتاب الوکالة باب اذا وہب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز (کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س۔ن)، رقم الحدیث ۲۳۰۷-۲۳۰۸۔

[40]۔ عبدالحیئ کتانی، التراتیب الاداریہ، مترجم: ابراہیم فیضی، نظام حکومت نبویہ (لاہور: فرید بک سٹال اردو بازار، 2002ء)، ۲۸۸۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: مالکم تدخلون علی قُلحاً؟ لولا ان اشق علٰی امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلاۃ لابدللناس من العریف، والعریف فی النار یؤتی بالجلواز یوم القیامة فیقال له: ضَعْ سوطک و ادخل النّار[41]۔

[حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم میرے پاس آتے ہو اس حال میں کہ تمہارے دانت زرد میلے کچیلے ہوتے ہیں؟ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت پر شاق گزرے گا (ان کے لیے مشکل کا باعث ہو گا) تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے (واجب ٹھہرا) دیتا۔ (علاوہ ازیں) لوگوں کے لیے "عریف" کا ہونا ضروری ہے مگر عریف (اپنی کارستانیوں اور غلط کاریوں کے باعث) جہنم میں جائے گا۔ چنانچہ اس ظالم عریف کو قیامت کے دن ایک سپاہی کے ذریعے (بارگاہ الٰہی میں) لایا جائے گا تو اسے کہا جائے گا۔ اپنا (ظلم وزیادتی کا) کوڑا (کندھے سے) اتار کر رکھ دے اور جہنم کی آگ میں داخل ہو جا۔]

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال اور اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم کے دانائے سبل رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ ایک حدیث کے مطابق پہلے تو یہ فرمایا کہ عرافت ایک ضروری اور ثابت شدہ امر ہے۔ اس کے ساتھ انتظامی ضرورت کے تحت عرفاء کا وجود بھی ضروری قرار دیا پھر ساتھ ہی یہ وعید بھی سنا دی کہ عرفا جہنم کی آگ میں ہوں گے تو بظاہر یہاں اس وعید کا کوئی تک نہیں بنتا؟

دوسری طرف یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ نبوت پر حق کے سوا کوئی دوسری بات آ ہی نہیں سکتی[42]۔ تو بظاہر اس تضاد اور اشکال کا جواب دیتے ہوئے ملاّ علی قاریؒ نے زیر بحث حدیث کے آخری جملے (ولکن العرفاء فی النار) کی تشریح میں لکھا ہے:

41۔ حافظ جلال الدین السیوطی، جامع الاحادیث (بیروت: دار الفکر، س-ن))، رقم حدیث:۲۰۲۶۷۔
نوٹ: اس سیاق کے ساتھ یہ روایت انتہائی "ضعیف" (ضعیف جدًا) ہے۔ جب کہ علامہ البانی نے اسے "منکر" قرار دیا ہے۔ البتہ اس روایت کے الفاظ "لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلوٰۃ" صحیح ہیں اور متعدد صحیح احادیث میں آئے ہیں۔

42۔ چنانچہ کثیر الروایت صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
میں ہر وہ چیز لکھ لیا کرتا تھا جسے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی زبان) سے سنتا تھا اور اس سے مقصود اس بات کا یاد کرنا اور اس کی حفاظت تھی، تو یہ دیکھتے ہوئے قریش (کے چند افراد) نے مجھے روکا اور کہا: کیا تم ہر چیز کو لکھ لیتے ہوئے جسے تم سنتے ہوئے جب کہ اللہ کے رسول ایک بشر / انسان ہیں۔ وہ بعض اوقات غصے اور خوشی کی حالت میں بھی بات کرتے ہیں، تو میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے اللہ کے

یہ ارشادِ نبوی (دراصل) تنبیہ اور چوکنا کرنے کی جگہ پر وارد ہوا ہے ان نقصانات سے جو اس عہدہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں، ان آفات سے جن سے اس عہدہ پر فائز ہو کر بچنا مشکل ہوتا ہے اور ان فتنوں / آزمائشوں سے جو اس کام میں واقع ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں بطور رشوت ایسے عطیات سے بیدار رہنے کا حکم ہے جن سے (بہ تقاضائے بشریت) کم ہی بچا جا سکتا ہے۔ اور "العرفاء فی النار" (عرفاء جہنم کی آگ میں ہوں گے) سے مراد وہ عرفاء ہیں جو اپنے فیصلوں / احکام میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے اور جمع / عموم کا صیغہ للاکثر حکم الکل (اکثریت کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے) کے طور پر آیا ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ ایسی زیادتیوں کا ارتکاب کریں گے جو انہیں جہنم کی آگ میں لے جائیں گی۔ یا اپنے نور نبوت سے ایک اندازہ کے طور پر فرمایا کہ ان کی اکثریت جہنم کی آگ میں ہوگی۔ جب کہ امام طیبی کا قول نبوی "العرفاء فی النار" کے حوالہ سے پیچھے گزر چکا ہے کہ یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہونے سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ عرافت ایک خطرناک عہدہ / کام ہے اور جس آدمی نے اختیار کیا تو گویا وہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ تو یہ قول نبوی اللہ تعالی کے ارشاد: انما یأکلون فی بطونہم نارًا (بے شک وہ لوگ جو ظلم و زیادتی سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں تو بے شک وہ آگ سے اپنے پیٹ بھر رہے ہیں) کی مانند ہے۔ تو عقل مند آدمی کو چاہیے کہ وہ اس معاملے میں بیدار رہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ یہ عہدہ اسے آزمائش میں نہ ڈال دے اور اسے آگ کے عذاب تک نہ پہنچا دے اور یہ شیخ کے کلام کا ملخص ہے[43]۔

زیر بحث روایت کے درج بالا مفہوم کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ امام بیہقی نے اس روایت کے لیے جو "ترجمہ الباب" قائم کیا ہے، اس کا عنوان ہے:

باب ماجاء فی کراهیة العرافة لمن جار وارتشی وعدل عن طریق الہدی[44]۔

(اس روایت / چیز کا باب جو عرافت کی ناپسندیدگی کے بارے میں آئی ہے، اس آدمی کے لیے جو ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرے، رشوت لے اور ہدایت کے / سیدھے راستے ہٹ جائے)

اسی طرح علامہ مناویؒ نے بھی زیر بحث حدیث کا تقریباً یہی مضمون اور مفہوم بیان کیا ہے۔ جو گذشتہ سطور میں درج کیا جا چکا ہے[45]۔ لہٰذا درج بالا اشکال کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اپنے ہر امتی کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی اور خیر خواہی مقصود تھی، اس لیے آں جناب ﷺ نے "العرفاء فی النار" کہہ کر اصحاب اقتدار و اختیار کو اس بات پر آگاہ، چوکنا اور متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اس / عہدہ پر فائز ہو کر اپنے قانونی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کا ذکر کیا تو آپؐ نے اپنی انگلی مبارک سے اپنے دہن / منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا: اکتب فوالذی نفس بیده مایخرج منه الاحقٌ۔ تم بے دھڑک لکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس منہ / زبان سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ (دیکھیے: ابوداؤد، السنن، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم حدیث: ۳۶۴۶۔)

43۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الامارۃ والقضاء، ۷: ۲۱۹-۲۲۰۔

44۔ ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، **السنن الکبری**، کتاب قسم الفیئ والغنیمة (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۴ء)، ۶: ۵۸۶۔

45۔ المناوی، فیض القدیر، ۲: ۳۷۶۔

اختیارات سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں بلکہ پوری دیانت داری سے اپنے فرائض منصبی سرانجام دیں۔ ورنہ آخرت میں ان کا انجام بہت برا اور بڑا دردناک ہوگا۔ یہ اسی قسم کی تنبیہ ہے جو آپؐ نے اپنے انتہائی محبوب صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ کو اس وقت فرمائی جب انہوں نے آپؐ سے ایک سرکاری عہدہ طلب کیا تھا، چنانچہ حضرت ابو ذر غفاری خود بیان کرتے ہیں:

قلت یارسول اللہ الاتسعملنی ؟ قال فضرب بیدہ علی مکبی ثم قال یا اباذر! انک ضعیفٌ وانھا امانةُ وانہا یوم القیامة خزیُ وندامة الّامن اخذھا بحقّھا وادّی الذی علیہ فیہا [46]۔

[میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ مجھے کسی علاقے کا عامل (یا سرکاری ملازم) مقرر نہیں فرمائیں گے؟ حضرت ابوذر کہتے ہیں: تو اس پر آپؐ نے اپنا دست مبارک (مجھے متوجہ کرتے ہوئے) میرے کندھے پر مارا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور یہ (امارة۔ سرکاری عہدہ) ایک امانت ہے اور بے شک یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندی کا باعث ہوگا۔ سوائے اس آدمی کے جس نے اسے اس کے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس معاملے میں جو ذمے داری اس پر عائد ہوتی تھی، اسے کماحقہ ادا کیا۔]

اس حدیث کی شرح میں علامہ نوویؒ نے جو کچھ لکھا ہے، زیر بحث مسئلہ کی تفہیم کے لیے اس کا مطالعہ بھی بے جانہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث اصل عظیم فی اجتناب الولایات لاسیما لمن کان فیہ ضعف عن القیام بوظائف تلک الولایة وامّا الخزی والندامة فھو فی حق من لم یکن اھلًا لھا اوکان اھلًا ولم یعدل فیھا فیخزیہ اللہ تعالٰی یوم القیامة ویفضحہ ویندم علی مافرّط [47]۔

[سرکاری عہدوں سے بچنے کے معاملے میں یہ حدیث بہت بڑی اصل / بنیاد ہے۔ خصوصاً اس آدمی کے لیے جو طبعی طور پر اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نباہ نہ سکتا ہو۔ اور جہاں تک (بروز قیامت) رسوائی اور ندامت کا معاملہ ہے تو یہ اس آدمی کے حق میں ہے جو سرے سے اس کا اہل ہی نہ ہو (اور اقرباء پروری یا رشوت کی بنیاد پر تعینات ہوا ہو) یا اس کا اہل تو ہو مگر اس میں انصاف سے کام نہ لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلیل کرے گا اور اسے رسوا بھی فرمائے گا اور وہ اپنی کوتاہی یا عہدے کا حق ادا نہ کرنے پر شرمندہ ہوگا۔) (مگر اس وقت کی شرمندگی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔]

عہد نبوی کے عرفاء

مذکورہ بالا بحث اور احادیث نبوی سے اتنی بات تو یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ عہد نبوی میں قبیلہ، محلہ اور قوم کی سطح کے چھوٹے حلقوں پر مشتمل ”عرافة“ کا نظام موجود تھا۔ اس نظام سے وابستہ لوگ یعنی عرفاء اپنے حلقے کے لوگوں کے

46۔ مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح**، کتاب الامارة باب کراھیة الامارة بغیر ضرورة (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س-ن)، رقم حدیث: ۴۷۱۹۔

47 یحیی بن شرف نووی، **شرح صحیح مسلم**، کتاب الامارة باب کراھیة الامارة بغیر ضرورة (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س-ن) ۲:۱۲۱۔

سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہب مسائل سے حکومت کو آگاہ کرتے اور حکومت ان مسائل کو حل کرتی تھی۔ علاوہ ازیں ان احادیث و روایات یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ عریف کے منصب / عہدہ پر فائز تھے۔ علاوہ ازیں اس عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے اقتدار اور اختیار کے نشے میں عرفاء سے عموماً جس ناانصافی، زیادتی اور حق تلفی کا ارتکاب ہوتا ہے، اس سے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس سب کچھ کے باوجود عہد نبوی میں موجود عرفاء کے ناموں کی تفصیل اور اس کا تفصیلی تعارف اس صراحت اور تفصیل کے ساتھ نہیں ملتا جس طرح عہد نبوی کے دیگر عہدوں مثلاً دُعاۃ / مبلغین، کتاب (وحی، مکاتیب اور سرکاری فرامین وغیرہ لکھنے والے)، حُکّام اور ولاۃ، محصّلین زکوٰۃ و جزیہ، قُضاۃ، ائمہ نماز، مؤذّنین، خدام، پہرے دار، قاصدین اور امراء وغیرہ کا ملتا ہے[48]۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری کے مطابق ہوازن کے قیدی واپس کرنے کے لیے مجاہدین / غانمین کی فرداً فرداً رضامندی حاصل کرنے کے لیے عدل پرور اور انصاف پسند پیغمبر اسلام ﷺ نے جن عرفاء کی ڈیوٹی لگائی تھی اور واپس آکر انہوں نے رپورٹ دی تھی (جس کا قصہ اوپر گذر چکا ہے) ان کے ناموں کی صراحت بھی نہیں ملتی۔ بہرکیف بڑی کوشش اور ورق گردانی کے بعد جن چند ناموں کی صراحت یا سراغ مل سکا ہے۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت رافع بن خدیج انصاریؓ

حضرت رافع بن خدیج بن رافع قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے مشہور انصاری صحابی ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو یہ بالکل نوخیز تھے۔ چنانچہ رمضان المبارک ۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا تو جوش جہاد میں اس نوخیز لڑکے نے بھی جنگ میں شمولیت کی اجازت چاہی مگر سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ شفقت کم عمر دیکھتے ہوئے انہیں شمولیت کی اجازت نہ دی۔ البتہ غزوہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں انہوں نے مردانہ وار شرکت کی سعادت حاصل کی[49]۔ غزوہ احد کے دن اس نوخیز نوجوان مجاہد کو پسلی کی ہڈی یا ان کی چھاتی پر پستان کی جگہ دشمن کی طرف سے آنے والا ایک تیر پیوست ہو گیا۔ تیر تو نکال لیا گیا البتہ اس کا پیکان / بالائی حصہ ٹوٹ کر جسم کے اندر ہی رہ گیا۔ اس پر سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن گواہی دوں گا کہ تو شہید ہے۔

---

48 نعمانی، سیرۃ النبی، ۲: ۴۰ تا ۵۰۔

49 ابن الاثیر، اسد الغابہ، ترجمہ رافع بن خدیج، ۲: ۱۶۰۔

یہ زخم عبد المالک بن مروان کے زمانہ خلافت میں خراب ہو گیا اور وہ اسی زخم کی تاب نہ لا کر ۸۶ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ موصوف کے متعلق صراحتاً مذکور ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں اپنی قوم/قبیلہ کے عریف تھے: وكان عريف قومه بالمدينة [50]۔ (اور وہ مدینہ میں اپنی قوم کے عریف/سردار تھے۔)

پھر درج ذیل روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اموی حکمران مروان بن حکم کے زمانہ حکومت تک اپنے اس عہدے پر فائز تھے۔ چنانچہ نامور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب سورۃ النصر "اذاجاء نصرالله" نازل ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری سورت آخر تک پڑھی اور فرمایا: "الناس حيز وانا واصحابي حيّز۔" (سارے لوگ ایک جماعت ہیں اور میں اور میرے صحابہ ایک جماعت ہیں۔)

علاوہ ازیں آں جناب ﷺ یہ بھی فرمایا: لاہجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية (فتح مکہ کے بعد ہجرت کا کوئی معنی نہیں البتہ جہاد اور اچھی نیت بدستور موجود رہے گی) تو اس پر مروان نے ان سے کہا: کذبت (تم نے جھوٹ بولا) اس وقت حضرت رافع بن خدیج اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما مروان کے پاس موجود تھے اور دونوں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری نے (اس کا جواب دیتے ہوئے) فرمایا: اگر یہ دونوں حضرات چاہیں تو وہ بھی تم سے یہ حدیث بیان کر سکتے ہیں لیکن یہ (رافع بن خدیج) ڈرتے ہیں اس بات سے کہ تم ان سے ان کی قوم کی عرافت کا عہدہ چھین لوگے اور اس (زید بن ثابت) کو اس بات کا خوف ہے کہ تم اس سے صدقہ وصولی کا عہدہ چھین لوگے، تو وہ دونوں خاموش رہے۔ اس پر مروان نے (غصہ میں) اپنا کوڑا اٹھایا تاکہ وہ انہیں مارے۔ جب ان دونوں حضرات نے (مروان کی اس جسارت کو) دیکھا تو ان دونوں نے بیک آواز کہا: صدق (انہوں نے سچ بولا ہے) [51]۔

(۲) ابوعزیز

علّامہ کتانی نے عہد نبوی کے مقرر کردہ عرفاء میں "ابوعزیز" نامی ایک صحابی کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> الاصابہ (لابن حجر) میں جندب بن النعمان کے ترجمہ میں تاریخ دمشق لابن عساکر کے حوالے سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں: ابوعزیز نامی ایک صاحب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلام بہت عمدہ/پختہ تھا۔ دوسرے یہ کہ آپؐ نے اسے اپنی قوم کا عریف بنا دیا [52]۔

50۔ ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (پشاور: المکتبۃ الحقانیہ، س۔ن)، 3:123۔

51۔ احمد بن حنبل، الموسوعة الحديثية (بیروت: مؤسّسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ)، رقم الحدیث: ۱۱۱۶۷۔

52۔ کتانی، التراتیب الاداریہ، مترجم: ابراہیم فیضی، نظام حکومت نبویہ، ۱:۲۰۶۔

(۳)نعمان بن رازیہ

ایک اور صحابی حضرت نُعمان بن رازیہ (جب کہ صاحب اسد الغابہ نے ان کا نام نعمان بن بازیہ لکھا ہے) الازدی ثم اللہبی کے متعلق تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے: عریف الازد وصاحب رأیتهم (وہ قبیلہ ازد کے عریف اور ان کے علمبر دار تھے)۔ کئی محدثین کے مطابق انہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع اور صحبت کا شرف بھی حاصل تھا علاوہ ازیں وہ صاحبِ علم و فضل صحابہ میں سے تھے اور ان صحابہ میں شامل تھے جو حمص (شام) جا کر آباد ہو گئے تھے[53]۔

عرفاء کی ذمہ داریاں رفرائض منصبی

گذشتہ تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عرفاء کی اجمالی ذمہ داری اپنے حلقہ، خاندان یا قبیلہ کے سیاسی معاملات اور دوسرے معاشرتی و سماجی امور کی نگرانی تھی۔ اور ان امور سے حکومت رافسر بالا کو آگاہ رکھنا تھا۔ علاوہ ازیں قرآن و سنت کی عمومی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں چھوٹا بڑا جو بھی حکومتی اہلکار تھا اس کا بنیادی فریضہ تھا کہ وہ معاشرہ میں نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور سرکاری ہدایات پر عملدرآمد کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرے۔

پچھلے صفحات میں عرض کیا جاچکا ہے کہ عرافتہ یا عرفاء سے متعلق جس طرح فقہی احکام نہیں پائے جاتے۔ اسی طرح ان کی ذمہ داریوں کی وضاحت بھی کہیں نظر سے نہیں گزری۔ تاہم قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت جو ہدایت نامہ (Instrument of instructions) جاری فرمایا تھا۔ اور اس میں ان کی جس قسم کی ڈیوٹیوں کی صراحت کی گئی تھی، اسی قسم کی ڈیوٹیاں عرفاء بھی اپنے اپنے حلقے میں سرانجام دیتے ہوں گے۔ مذکورہ مبارک نامہ میں معاشرتی، سماجی، اخلاقی، فقہی اور مذہبی نوعیت کی بہت سی ہدایات پر عمل کرنے اور کرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے اس مبارک نامہ کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جارہا ہے، ملاحظہ ہو:

> بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہدایت نامہ ہے
>
> اے ایمان والو! اللہ سے جو عہد تم نے باندھ رکھا ہے اس کو پورا کرو، یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزمؓ کو اس وقت دیں جب ان کو یمن پر مقرر کیا۔ آپؐ نے ان کو ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت کی کیونکہ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو نیکوکار (محسنون) ہیں اور آپؐ نے اس کو یہ ہدایت کی کہ حق پر قائم رہے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی

نوٹ: راقم کو الاصابہ میں جندب بن النعمان کا ترجمہ رتذکرہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔

53۔ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی، **الاصابہ فی تمییز الصحابہ**، ترجمہ رافع بن خدیج (بیروت: دارالمعرفۃ، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۵۶۵۔

خوشخبری اور اسی کا حکم سنائے اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان میں قرآن مجید کی سمجھ پیدا کرے۔ اور وہ لوگوں کو برائی سے بچائے اور کوئی آدمی ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ اور وہ لوگوں کو ان کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرے۔ حق کے معاملہ میں لوگوں کے لیے نہایت نرم ہو اور وہ ظلم کے معاملے میں ان پر سختی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند کیا اور اس سے روکا ہے۔ چنانچہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: الالعنة الله علی الظلمین[54] (ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) اور لوگوں کو جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال کی بشارت دے اور دوزخ اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال سے ڈرائے اور لوگوں کی دلداری کرے یہاں تک کہ وہ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں اور وہ لوگوں کو حج کے آداب اور اس کے طریقے اور اس فرض کی اہمیت سے آگاہ کرے اور جس چیز کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ حج اکبر تو حج اکبر ہی ہے، حج اصغر سے مراد عمرہ ہے اور لوگوں کو صرف ایک چھوٹے کپڑے میں نماز پڑھنے سے روکے، الّا یہ کہ وہ کپڑا کم از کم اتنا ہو کہ اس کے دونوں گوشے موڑ کر وہ اپنے کندھوں پر ڈال سکیں۔ اور لوگوں کو اس بات سے روکے کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نہ بیٹھے کہ اس کی ستر کھل جائے اور اس بات سے روکے کہ لوگ اپنے بال سر کے پیچھے جُوڑے کی صورت میں باندھیں، اگر لوگوں میں کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو اس بات کی نگرانی کرے کہ لوگ قومی اور قبائلی عصبیت کے نعرے بلند نہ کرنے پائیں، بلکہ ان کی پکار صرف اللہ وحدہ لاشریک کے نام پر ہو۔ اگر کوئی گروہ اللہ کے نعرہ کے بجائے اپنے قومی اور قبائلی نعرہ ہی پر اصرار کرے تو ان کی تلوار سے خبر لی جائے۔ یہاں تک کہ قومی اور قبائلی عصبیت سے دستبردار ہو کر اللہ وحدہ لاشریک کا نعرہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اور لوگوں کو ٹھیک طریقہ سے وضو کرنے کا حکم دے کہ لوگ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں اور اپنے سروں کا مسح کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نمازوں میں اوقات کی پابندی اور رکوع اور سجدہ کے اتمام اور خشوع کا حکم دے۔ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی جائے اور ظہر کی دوپہر میں زوال کے بعد اور عصر کی نماز جب سورج منہ موڑ چکا ہو اور مغرب رات کے داخل ہوتے ہی۔ اس میں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ تارے نمایاں ہو جائیں۔ عشاء اوّل شب میں۔ جمعہ کے لیے یہ حکم دیا جائے کہ جب اس کی اذان ہو تو لوگ مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ آئیں اور گھروں سے نکلنے سے پہلے غسل کر لیں۔

اس کے بعد مال غنیمت، زکوٰۃ، عشر، جانوروں میں زکوٰۃ کا نصاب، غیر مسلموں پر خراج اور جزیہ کے احکام کی تفصیل ہے جن کو اختصار کے خیال سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اس ہدایت نامہ یا تقرر نامہ (Appointment Order) کے آخر میں غیر مسلموں کے حوالے سے یہ وضاحت بھی درج ہے کہ: فمن ادی ذالک فان له ذمة الله و ذمة رسوله، ومن منع ذالک، فانه عدوالله ولرسوله وللمومنین جمیعاً۔ صلوٰت الله علی مُحمّد والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته[55]۔ (تو جو آدمی غیر مسلموں میں

[54]۔ القرآن، 18:11۔

[55]۔ عبد الملک ابن ہشام، السیرة النبویه (قاہرہ: دار الکتب، ۱۳۷۵ھ)، ۲: ۵۹۴-۵۹۶۔

سے مذکورہ جزیہ ادا کرے گا تو بے شک اس کے لیے (اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کے واسطے) اللہ کریم کا ذمہ ہے اور اس کے رسول کا ذمہ اور جو آدمی اس سے انکار کرے تو وہ اللہ، اس کے رسول اور تمام مؤمنین کا دشمن ہے۔ اللہ کی رحمتیں ہوں حضرت محمد پر اور آپ پر سلام ہو، نیز اللہ کی رحمت اور اس کی برکات۔)

خلاصہ بحث

روز مرّہ کا عمومی مشاہدہ ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنی انفرادی ضروریات کی فراہمی اور چھوٹے چھوٹے کاموں کی تکمیل کے لیے دوسرے لوگوں کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نظام مملکت کو چلانے کے لیے ایک سربراہ حکومت کو کتنے افراد کا تعاون درکار ہو گا۔ اسی انسانی و حکومتی ضرورت کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی تو اس میں جہاں مرکزی و صوبائی سطح کے اعلیٰ عہدیدار مقرر کیے گئے وہاں عرب کے قبائلی نظام کے تسلسل میں قبیلہ / محلہ خاندان کی سطح پر ''عرفاء'' کا تقرر بھی کیا گیا۔ یہ مقامی سطح کے چھوٹے چھوٹے حلقوں کے نمائندہ تھے۔ جو اپنے اپنے حلقہ کے لوگوں کے سیاسی و معاشرتی مسائل سے حکومت اور افسران بالا کو آگاہ کر کے انہیں حل کرایا کرتے تھے۔ یہ عمل اصطلاح میں ''عرافۃ'' کہلاتا ہے۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: عرافۃ ایک امر حق ہے اور لوگوں کے لیے عرفاء کا ہونا ضروری ہے۔ پھر انسان کی نفسیات ہے کہ جب اسے کوئی عہدہ اختیار اور لوگوں پر سرداری مل جاتی ہے تو وہ عام طور پر اس عہدہ سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے اور اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے ماتحتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی کر گزرتا ہے۔ اس لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ظلم پیشہ عرفاء کو جہنم کی وعید بھی سنائی تاکہ وہ اختیارات کے ناجائز استعمال سے باز رہیں۔

متعدد احادیث نبوی اور تاریخی روایات میں عرافۃ اور عرفاء کے مثبت یا منفی تذکرہ کے باوجود عجیب اتفاق یا حیران کن امر ہے کہ عہد نبوی میں موجود عرفاء کے ناموں اور ان کا تعارف اس صراحت اور تفصیل کے ساتھ کہیں دکھائی نہیں دیتا جس طرح عہد نبوی کے دیگر عہدوں مثلاً دُعاۃ، قضاۃ، کُتّاب، مبلّغین، محصّلینِ زکوٰۃ، عمال / گورنروں اور امراء کا ملتا ہے۔ بہر کیف زیر بحث موضوع کے حوالے سے دستیاب مواد کے مطابق اتنی بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ عہد نبوی میں کسی نہ کسی درجے میں عرافت اور عرفاء کا نظام موجود تھا۔ مگر عرافۃ یا عرفاء سے متعلق جس طرح کتب فقہ میں فقہی احکام نہیں پائے جاتے، اسی طرح ان کی ذمہ داریوں اور فرائض منصبی کی صراحت بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ تاہم قیاس یہی ہے کہ وہ دیگر سرکاری اہلکاروں کی طرح اپنے حلقہ کے لوگوں کی سیاسی و معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے حلقے کے عوام کی دینی و اخلاقی اصلاح و تربیت میں بھی اسی طرح کردار ادا کرتے ہوں گے جس طرح کا کردار ادا کرنے کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت وصیت فرمائی تھی۔

Bibliography

1. *al-Qurʾān*
2. Muḥammad Ibn Ismāʿīl al-Bukhārī. *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, kitāb al-ghusl, bāb: "Iḏā jāmaʿa thumma ʿāda wa-man dāra ʿalā al-nisāʾ fī ghusl wāḥid." Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, N.D.
3. Abū Dāʾūd. *Al-Sunan*, Kitāb al-Jihād, Bāb fī Fidāʾ al-Asīr bi al-Māl. Lāhaur: Maktabah Raḥmāniyyah, N.D.
4. Ibn Khaldūn. *Tārīkh Ibn Khaldūn*. Lāhaur: al-Faiṣal Nāshirān, 2001.
5. Kamāl Ibn Abī Sharīf. *Kitāb al-Musāmarah fī Sharḥ al-Musāyarah li'l-Kamāl Ibn al-Humām (al-Aṣl al-Tāsiʿ)*. al-Qāhirah: al-Maktabah al-Azharīyah li'l-Turāth, 2004.
6. Qāḍī ʿIyāḍ. *al-Shifāʾ bi-Taʿrīf Ḥuqūq al-Muṣṭafā*, faṣl: "Wa ammā wufūr ʿaqlih." Miṣr: al-Maktabah al-Tijāriyyah al-Kubrā, n.d.
7. al-Suyūṭī. *al-Khaṣāʾiṣ al-Kubrā*, bāb: "al-Āyah fī ʿaqlihi ﷺ." Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, n.d.
8. al-Ṣāliḥī al-Shāmī. *Subul al-Hudā wa'l-Rashād fī Sīrat Khayr al-ʿIbād*, fī wufūr ʿaqlih. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1414 H.
9. al-Suyūṭī. *al-Khaṣāʾiṣ al-Kubrā*, bāb: "al-Āyah fī jimāʿih ﷺ." Lāhaur: al-Nafīs Publisher, 2010.
10. Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Muḥammad al-Māwardī. *al-Aḥkām al-Sulṭānīyah*. Translated by ʿAbd al-Mālik ʿIrfānī. Lāhaur: Qānūnī Kutub Khāna, n.d.
11. Muḥammad ibn ʿAlī al-Shawkānī. *Fatḥ al-Qadīr*. Bayrūt: Dār al-Maʿrifah, 2007.
12. ʿAllāmah Shiblī Nuʿmānī. *Sīrat al-Nabī: Tāsīs Ḥukūmat-i Ilāhī*. Lāhaur: al-Faiṣal, 1991.
13. al-Duktūr Jawād ʿAlī. *al-Mufaṣṣal fī Tārīkh al-ʿArab Qabla al-Islām*. Bayrūt: Dār al-Sāqī, 2001.
14. Muḥammad Sulaymān al-Ṭayyib. *Mawsūʿat al-Qabāʾil al-ʿArabiyyah*. Bayrūt: Dār al-Fikr al-ʿArabī, 2010.
15. Abū Jaʿfar Muḥammad ibn Jarīr al-Ṭabarī. *Tārīkh al-Rusul wa al-Mulūk*. Qāhirah: Dār al-Maʿārif, N.D.
16. Dr. Ḥamīdullāh. *ʿAhd-i Nabawī Mein Niẓām-i Ḥukūmat*. Lāhaur: Nigārishāt Publishers, 2001.
17. Amīr Ibn Bilyān al-Fāsī. *al-Iḥsān fī Taqrīb Ṣaḥīḥ Ibn Ḥibbān*, Kitāb al-Tārīkh, Bāb Akhbāruhū ṣallá Allāh ʿalayhi wa sallam ʿammā yakūnu fī ummatih. Bayrūt: Dār al-Fikr al-ʿArabī, 2010.

18. Abū al-Ḥasan ʿAlī al-Jazarī Ibn al-Athīr. *Usd al-Ghābah fī Maʿrifat al-Ṣaḥābah*, Ḥarf al-ʿAyn, Bāb al-ʿAyn wa al-Yāʾ. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, N.D.
19. Abū al-ʿAbbās Aḥmad ibn Muḥammad al-Ḥamawī. *al-Miṣbāḥ al-Munīr fī Gharīb al-Sharḥ al-Kabīr*, Ḥarf al-ʿAyn, entry: ʿArāfah. al-Kuwayt: Wizārat al-Awqāf wa al-Shuʾūn al-Islāmiyyah, 1994.
20. ʿAbd al-Raʾūf al-Munāwī. *Fayḍ al-Qadīr Sharḥ al-Jāmiʿ al-Ṣaghīr li al-Suyūṭī*. Bayrūt: Dār al-Maʿrifah, 1972.
21. Mawlānā ʿAbd al-Ḥafīẓ Balyāwī. *Miṣbāḥ al-Lughāt*. Karāchī: H. M. Saʿīd Company, 1973.
22. Ibn Manẓūr al-Afrīqī. *Lisān al-ʿArab*. Bayrūt: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1996.
23. Khalīl Aḥmad al-Sahāranpūrī. *Badhl al-Majhūd fī Ḥall Sunan Abī Dāwūd*. Bayrūt: Dār al-Bashāʾir al-Islāmiyyah, 2006.
24. ʿAlī ibn Sulṭān Muḥammad ʿAlī al-Qārī. *Mirqāt al-Mafātīḥ Sharḥ Mishkāt al-Maṣābīḥ*, Kitāb al-Imārah wa al-Qaḍāʾ. Multān: Maktabah Imdādiyyah, N.D.
25. ʿAsqalānī, Ḥāfiẓ Ibn Ḥajar. *Fatḥ al-Bārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Aḥkām, Bāb al-ʿUrafāʾ li al-Nās. Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, N.D.
26. Afandīzādah, ʿAbd Allāh ibn Muḥammad Yūsuf. *Najāḥ al-Qārī li Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Wakālah, Bāb idhā Wahaba Shayʾan li-Wakīl aw Shafīʿ Qawm Jāz. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2021.
27. Ibn al-Athīr, Abū al-Ḥasan ʿAlī al-Jazarī. *Al-Nihāyah fī Gharīb al-Ḥadīth wa al-Athar*, Ḥarf al-ʿAyn, Bāb al-ʿAyn maʿa al-Rāʾ. Riyāḍ: Maktabah al-Islāmiyyah, N.D.
28. *Al-Mawsūʿah al-Fiqhiyyah*. al-Kuwayt: Wizārat al-Awqāf wa al-Shuʾūn al-Islāmiyyah, 1994.
29. Sijistānī, Abū Dāʾūd Sulaymān ibn Ashʿath. *Al-Sunan*, Kitāb al-Kharāj wa al-Fayʾ wa al-Imārah, Bāb fī al-ʿIrāfah. Lāhaur: Maktabah Raḥmāniyyah, N.D.
30. Ibn Abī Shaybah, Abū Bakr. *Al-Muṣannaf*, Kitāb al-Adab, Bāb Mā Qālū fī Karāhiyyat al-ʿIrāfah. Dimashq: Muʾassasat ʿUlūm al-Qurʾān, 2006.
31. Manāwī, ʿAbd al-Raʾūf. *Fayḍ al-Qadīr Sharḥ al-Jāmiʿ al-Ṣaghīr li al-Suyūṭī*. Bayrūt: Dār al-Maʿrifah, 1972.
32. Dihlawī, Nawwāb Quṭb al-Dīn Khān. *Maẓāhir al-Ḥaqq*. Karāchī: Dār al-Ishāʿat, 2002.
33. Khaṭīb al-Tibrīzī, Abū ʿAbd Allāh. *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, Kitāb al-Imārah wa al-Qaḍāʾ. Karāchī: H. M. Saʿīd Company, N.D

34. ʿAsqalānī, Fatḥ al-Bārī, Kitāb al-Aḥkām, Bāb al-ʿUrafāʾ li al-Nās. Bayrūt: Dār al-Fikr, S.N.
35. ʿAynī, Badr al-Dīn Abū Muḥammad Maḥmūd ibn Aḥmad. *ʿUmdat al-Qārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Wakālah, Bāb idhā Wahaba Shayʾan li-Wakīl aw Shafīʿ Qawm Jāz. Quetta: Maktabah Rashīdiyyah, N.D.
36. Kattānī, ʿAbd al-Ḥayy. *Al-Tarātīb al-Idāriyyah*, trans. Ibrāhīm Fayzī, *Niẓām-i Ḥukūmat-i Nabaviyyah*. Lāhaur: Farīd Book Stall, 2002.
37. Suyūṭī, Ḥāfiẓ Jalāl al-Dīn. *Jāmiʿ al-Aḥādīth*. Bayrūt: Dār al-Fikr, N.D.
38. Bayhaqī, Abū Bakr Aḥmad ibn al-Ḥusayn. *Al-Sunan al-Kubrā*, Kitāb Qism al-Fayʾ wa al-Ghanīmah. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1994.
39. Muslim ibn Ḥajjāj al-Qushayrī. *Al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Imārah, Bāb Karāhiyyat al-Imārah bi Ghayr Ḍarūrah. Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, N.D.
40. Nawawī, Yaḥyā ibn Sharaf. *Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Imārah, Bāb Karāhiyyat al-Imārah bi Ghayr Ḍarūrah. Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, N.D.
41. Ibn Kathīr, Abū al-Fidāʾ Ismāʿīl. *Al-Bidāyah wa al-Nihāyah*. Peshāwar: al-Maktabah al-Ḥaqqāniyyah, N.D.
42. Aḥmad ibn Ḥanbal. *Al-Mawsūʿah al-Ḥadīthiyyah*. Bayrūt: Muʾassasat al-Risālah, 1420 AH.
43. ʿAsqalānī, Abū al-Faḍl Ibn Ḥajar. *Al-Iṣābah fī Tamyīz al-Ṣaḥābah*, trans. Rāfiʿ ibn Khadīj. Bayrūt: Dār al-Maʿrifah, 2004.
44. Ibn Hishām, ʿAbd al-Malik. *Al-Sīrah al-Nabawiyyah*. Qāhirah: Dār al-Kutub, 1375 AH.